١٦

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

وحدت مطلقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی لم یکن قبل وحدانیتہ قبل
سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اوسکی وحدانیت کے قبل کوئی قبلیت نہیں ہی
الا و القبل ہو کان و لم یکن بعد فردانیتہ
مگر اوس حال میں کہ قبلیت اوسکی عین ہی — اور اوسکی فردانیت کے بعد کوئی بعدیت نہیں ہی
بعد الا و البعد ہو کان و لا بعد معہ
مگر اوس حال میں کہ بعدیت اوسکی عین ہے — اور نہ اوسکے ساتھ کوئی معیت ہے
و لا قبل و لا فوق و لا تحت و لا یمین و لا
اور نہ قبلیت اور نہ فوقیت اور نہ تحتیت اور نہ یمین اور نہ یسار

"شرح وحدتِ مطلقہ" مصنفہ شیخ محی الدین ابنِ عربی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہ ماہی کتابی سلسلے

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

16

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء

قانونی مشیر — منصور اعظم (ایڈووکیٹ)، راولپنڈی

سرکولیشن منیجر — فدا حسین ہاشمی ۔ (راولپنڈی)

تصاویر — خالد محمود قریشی ۔ (اٹک)

کمپوزنگ — قاضی نواز نعیم احمد ۔ (حضرو، اٹک)

ہدیہ: سالانہ 700 روپے — فی شمارہ 175 روپے

مدیر 0343-5894737 — مدیرِ منتظم 0333-5456555

سرکولیشن منیجر 0346-8506343 — 0334-8506343

e-mail: sajidnizami92@yahoo.com

پرنٹرز / پبلشرز:۔ نظامیہ دار الاشاعت خانقاہِ معلی حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف، (اٹک)

0334-8506343

ای میل: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

حدیقۂ شریعت:

☆ دل کے پانچ قسم کے زخموں کے لیے پانچ مرہم علامہ بدیع الزمان سعید نورسیؒ ۸۶

❁ ❁ ❁

صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہی کا فرمانِ ذیشان ہے۔ ''اگر کوئی اپنے دن روزے رکھ کر گزارے اور راتیں نماز پڑھتے بِتائے اور حرمین کا زائر (بھی) ہو۔ اصل بات جب ہوگی کہ دُنیا کی محبت اس کے دِل میں نہ ہو؛ اس کے بعد فرمایا: کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے؛ اور دُنیا کی محبت اس کے دِل میں ہوتی ہے تو وہ اس دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے۔''

ہم جس گڑھے کے دہانے جا پہنچے ہیں اس کا شاید ہمیں ادراک نہیں اور ہو بھی کیسے؟ دُنیا کی ہوا و ہوس ہمیں کچھ اور سوچنے کی فرصت ہی نہیں دے رہی۔ ہماری گفتار، ہمارا کردار کچھ بھی تو قابلِ تقلید نہیں رہا۔ بل کہ اب تو قابلِ گرفت ہے۔ رہبر و رہزن میں امتیاز کرنا کارِ محال ہوا۔ قوم کا معاملہ یہ ہے کہ اُسے اپنا آپ تلاشنہ مشکل ہے۔

فی زمانہ رہبروں کی بھیڑ ہے اور اس بھیڑ میں عوام کی خیر خبر کہاں۔ ہر ایک کو یہ زعم اور دعویٰ ہے کہ وہ اس قوم کا نجات دہندہ ہے اور قوم ششدر و حیراں آں سوئے افلاک دیکھتی ہے۔ سابقہ سات دہائیوں سے یہ کھیل کھلے عام کھیلا جا رہا ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اس بھیڑ بھاڑ میں کوئی اپنا آپ کھوج نکالے تو مردِ میداں ٹھہرے۔ صوفیا کا صدیوں سے یہ طریق رہا ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زندگی

مَن کا اُجالنا کیسا؟ رنگ ساز کہاں سے ملے گا؟ ہماری میلی چنریا کب رنگوں کی پھلواری

سے ڈھلے گی۔ یہ اور اس جیسے کتنے سوال آج کے انسان کا المیہ ہیں۔ انھیں سوالوں کے جواب میں وہ سرگرداں پھرتا ہے۔ در، در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے لیکن بے سود۔ کاش ہمیں بھی سوزِ خسرو عطا ہو اور شاہ نظامؒ جیسا رنگ ساز میسر آئے۔

○

''قندیلِ سلیماں'' شمارہ ۱۶ حاضر خدمت ہے۔ اس شمارہ میں بھی آپ کو احوالِ صوفیا کی ایک کہکشاں دکھائی دے گی۔ اُن تمام صاحبانِ علم کا شکریہ جن کی گراں قدر تحریروں سے یہ کہکشاں سجی ہے۔

مدیر

حمدِ خدا بہ زبانِ مصطفیٰ ﷺ

نذر صابری

ای ہمہ حسن و کمال از بودِ تو
آفتابی ، ماہ و انجم جودِ تو

از وجودت جملگی را مایہ ای
وز صفاتت خلق را پیرایہ ای

دو جہاں از پرتوِ حسنت جمیل
وادیِ نیل است شرحِ فیضِ نیل

عکس کامل بر سرم انداختی
با نہایاتِ کرم بنواختی

در ازل . اعزازِ نورِ اولین
تا ابد توقیعِ ختم المرسلین

باعثِ تخلیقِ عالم گفتہ ای
دُرِ لولاکی بہ زلفم سفتہ ای

سروری دادی بہ جملہ انبیا
رحمتِ کل وصف کردی ہم عطا

از چراغم هر چراغ افروختی
هر صدف با گوهرم اندوختی

اشهم خواندی به معراج قبول
تا به بخشی رؤیت و قرب و وصول

بی طلب این ها همه بخشیده ای
نی که از من هیچ خدمت دیده ای

یک طلب دارم بخشش آن نیز هم
امتِ عاصی بیامرز از کرم

لطفِ تو امید این پرورده است
لطفِ پرورده چرا آزرده است

خویش را بر شوقِ تو آراستم
ورنه زین غم فرصتی کم داشتم

سوی تو آیم که خار از دل کشی
کشتیِ امت سرِ ساحل کشی

چون گلم می بینی خارم نیز بین
با چنین رو جان فگارم نیز بین

نعت بہ حضورِ سرورِ کائنات ﷺ

خاور چودھری

شب تاریک گئی ، گیسوئے جاناں کی قسم
اُن کے آنے سے ضیا ہے مہِ تاباں کی قسم

خاکِ یثرب پہ ترے پاؤں پڑے تو آقا
مہک اُٹھی ہے فضا سنبل و ریحاں کی قسم

اب مرے دشتِ تمنا میں بھی گُل کھلنے لگے
جلوۂ حق کی قسم ، بارشِ عرفاں کی قسم

ہر گھڑی لطف و عنایت گنہگاروں پر
مائلِ رحم و کرم آپ ہیں ، رحماں کی قسم

حُسنِ یوسف کے بہ ظاہر تو بہت چرچے ہیں
وہ مثال آپ ہیں اپنی شہِ خوباں کی قسم

کتنی پاکیزہ ہے خوش بُوئے مدینہ خاورؔ
عطرِ گیسو کی قسم ، عارضِ تاباں کی قسم

☆☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ

حضرت بیدم شاہ وارثیؒ

وہی دیتے ہیں مجھ کو اور انھیں سے مانگتا ہوں میں
نظام الدینؒ سلطان المشائخ کا گدا ہوں میں

مرے خواجہ جہاں میں آپ ہی کو لاج ہے میری
بُرا ہوں یا بھلا جیسا ہوں لیکن آپ کا ہوں میں

مجھے بھی اپنی محبوبی کا صدقہ کچھ عنایت ہو
کہ محبوبِ الٰہی تیرے در پر آ پڑا ہوں میں

مری فریاد بھی گنجِ شکرؒ کا واسطہ سنیے
کہ شاہا تلخیٔ ایام سے گھبرا گیا ہوں میں

ہزاروں حسرتیں لے کر تمھارے در پہ آیا ہوں
زباں خاموش ہے لیکن سراپا مُدعا ہوں میں

مری عرضِ تمنا بھی عجب عرضِ تمنا ہے
کہ تم کو مانگتا ہوں اور تمھیں سے مانگتا ہوں میں

مرے وارث مرے والی، نظام الدینؒ ہیں بیدمؔ
انھیں کا مبتلا ہوں میں انھیں پر مرمٹا ہوں میں

غزوہ بدر الکبریٰ

علامہ قاری سعید احمد☆

جنگ کا آغاز

جب دونوں طرف سے لشکر آرائی ہوئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافر اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمان تھوڑے دکھائی دیئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جنگِ بدر میں کفار ہماری آنکھوں میں تھوڑے دکھائی دیے۔ چناں چہ میں نے اندازہ کر کے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر کے قریب ہوں گے۔ اس نے پورا اندازہ کر کے کہا، نہیں نہیں۔ یہ تو ایک سو (۱۰۰) ہیں۔ پھر اسی طرح کافروں کی نظروں میں بھی خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعداد کو کم دکھایا۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے کہا کہ انھیں رسیوں سے باندھ لو۔ گویا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کو اتنی قلیل تعداد میں دیکھ رہا تھا کہ مقابلہ کرنے اور جنگ آزما ہونے کے لائق بھی خیال نہیں کرتا۔ مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد دکھانے میں یہ حکمت تھی کہ مشرکین مقابلہ پر جم جائیں بھاگ نہ پڑیں۔ تاکہ رب کا کام جس کا کرنا وہ اپنے علم میں مقرر کر چکا تھا پورا ہو جائے۔ کافروں پر اپنی گرفت اور مومنوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قرآنِ مجید میں یوں بیان فرمایا۔

وَاِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذِالْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ. (الانفال۔ ۴۴)

ترجمہ:

اور جب لڑتے وقت تمھیں کافر تھوڑے کر کے دکھائے اور تمھیں اُن کی نگاہوں میں تھوڑا کیا تاکہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے اور اللہ کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔ (کنزالایمان)

☆ مدرس جامعہ زینت الاسلام، ترگ شریف، تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی

مسلمانوں کی نظروں میں کفار تھوڑے دکھانے میں حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوں اور ہمت نہ ہاریں۔ اور کفار کی نظروں میں مسلمان تھوڑے اس لیے دکھائے گئے کہ کہیں وہ زیادہ تعداد سے ڈر کر بھاگ نہ جائیں۔ یہ کیفیت اس وقت تک رہی جب تک جنگ شروع نہ ہوئی لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو کافروں کی نظروں میں مسلمان زیادہ کر کے دکھائے گئے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ ال عمران میں فرمایا:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ. (آیت۔۱۳، اٰل عمران)

ترجمہ: بے شک تمھارے لیے نشانی تھی دو گروہوں میں جو آپس میں لڑ پڑے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا اور دوسرا کافر کہ انھیں آنکھوں دیکھا اپنے سے دو تا سمجھیں اور اللہ اپنی مدد سے زور دیتا ہے جسے اللہ چاہتا ہے بے شک اس میں عقلمندوں کے لیے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔

جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ کافروں کے لشکر سے اسود بن عبدالاسد المغزومی مسلمانوں کے حوض سے پانی پینے کا بلند بانگ دعویٰ کر کے مسلمانوں کے لشکر کی طرف آیا مگر حضرت حمزہؓ نے اس کو تہ تیغ کر دیا۔ جنگِ بدر میں مارا جانے والا یہ پہلا کافر تھا۔ یہ منظر دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر جوشِ غضب میں مسلمانوں کی طرف آیا اور نعرہ لگایا کہ میرا مقابلہ کون کرے گا۔ تین انصاری جوان ان کے مقابلے میں نکلے مگر اس نے کہا ہمارے مقابلے کے لیے ہماری قوم قریش کے جوانوں کو بھیجو۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ، حضرت حمزہ اور حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے اپنے مدِ مقابلہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن عتبہ کے ایک وار سے حضرت عبیدہؓ کی ٹانگ کٹ گئی۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ ان کی مدد کو پہنچے اور دونوں نے یکبارگی عتبہ پر حملہ کیا اور اس کو داخل فی النار کیا۔ اس کے بعد حضرت حمزہ اور علی زخمی عبیدہ کو اٹھا کر حضور ﷺ کے قدموں میں لے آئے۔ حضرت عبیدہؓ

نے عرض کیا میں شہید ہوں یا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تیری شہادت کی گواہی دیتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اور تجھے خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا۔

نزول ملائکہ

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے لشکرِ اسلام کی مدد فرمائی۔ قرآن شریف میں ہے

اِذْتَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ. (الانفعال . ۹)

ترجمہ: جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ایک ہزار فرشتوں کی قطار سے۔

علامہ رازی فرماتے ہیں کہ جبرائیلِ امیں پانچ سو ملائکہ کے ساتھ میمنہ پر نازل ہوئے اور اس طرف صدیق اکبرؓ تھے اور میکائیل پانچ سو ملائکہ کے ساتھ میسرہ پر نازل ہوئے اور میسرہ پر حضرت علیؓ تھے۔ مواہب الدینہ میں ہے کہ حضرت ربیع بن انسؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ایک ہزار ملائکہ سے امداد فرمائی بعد میں وہ تین ہزار کی تعداد میں ہو گئے اس کے بعد ملائکہ پانچ ہزار ہو گئے۔

جب حضورﷺ لڑائی سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرائیل امیں ایک سُرخ گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے جسم پر ان کی زرہ اور ان کے ہاتھ میں ان کا نیزہ تھا۔ حضورﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ **یا محمد ان اللہ عزوجل یونی الیک وامرنی ان لا افارق حتیٰ ترضی افرضیت وال نعم.**

ترجمہ: اے محمدﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک آپ راضی نہ ہو جائیں میں آپ سے جدا نہ ہوں۔ کیا آپ راضی ہو گئے ہیں آپﷺ نے فرمایا: ہاں میں راضی ہو گیا ہوں۔

کفار کا انجام: اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی مارے گئے جن میں ان کے بڑے بڑے

سردار بھی شامل تھے۔

امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کا قتل: امیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا۔ جس وقت جنگِ بدر کا کوئی وہم و گمان بھی نہ تھا اس وقت حضرت سعد بن معاذ کی زبانی مکہ ہی میں اپنے قتل کے متعلق سن چکا تھا وہ اس طرح کہ امیہ حضرت سعد بن معاذؓ کا دوست تھا۔ امیہ جب مدینہ آتا تو حضرت سعد کا مہمان بنتا اور حضرت سعد جب مکہ جاتے تو امیہ کے مہمان بنتے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت سعد بن معاذؓ امیہ کے پاس ٹھہرے۔ امیہ سے کہا میرے لیے کوئی تنہائی کا وقت دیکھو۔ تاکہ میں بیت اللہ کا طواف کروں تو امیہ آپ کو نصف النہار کے وقت لے کر گیا تو ابو جہل ان دونوں کو راستے میں ملا۔ ابو جہل نے امیہ سے پوچھا اے ابو صفوان (یہ امیہ کی کنیت ہے) کون ہے یہ تیرے ساتھ۔ امیہ نے کہا یہ سعد ہیں۔ تو ابو جہل نے حضرت سعد بن معاذ سے کہا میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو امن کے ساتھ کعبہ شریف کا طواف کرتا ہے حالاں کہ تم نے صابیوں کو جگہ دی ہے اور تمھارا گمان ہے کہ تم نصرت اور مدد حاصل کرو گے۔ اللہ کی قسم اگر تیرے ساتھ ابو صفوان نہ ہوتا تو تو اپنے گھر سلامتی کے ساتھ نہ لوٹتا۔

حضرت سعد سے امیہ نے کہا اے سعد ابوالحکم وادی والوں کے سردار پر آواز بلند نہ کرو حضرت سعد نے فرمایا اے امیہ آپ ہمارے درمیان میں نہ آئیے۔ اللہ کی قسم تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ بے شک وہ آپ کو قتل کرنے والے ہیں۔

امیہ نے کہا مکہ میں فرمایا۔ میں نہیں جانتا امیہ یہ سن کر بہت خوف زدہ ہوا۔ امیہ جب گھر واپس لوٹا۔ کہا اے ام صفوان کیا تو نے نہیں سُنا جو مجھے سعد نے کہا۔ اس کی بیوی نے پوچھا تجھے کیا کہا۔ اس نے کہا اس کا گمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے انھیں خبر دی کہ بے شک وہ مجھے قتل کرنے والے ہیں۔ میں نے اس سے کہا مکہ میں انھوں نے کہا یہ میں نہیں جانتا۔ امیہ نے کہا اللہ کی قسم میں مکہ سے نہیں نکلوں گا (بخاری شریف، جلد۲) تو جب بدر کا موقع آیا تو وہ جنگ میں شریک ہونے سے جان چُراتا تھا۔ ابو جہل نہ یہ کہ کر ادر کـــوا غیـــر کـــم اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو۔

لوگوں کو جنگ کے لیے آمادہ کیا۔ امیہ نے پہلوتہی کی۔ ابوجہل نے کہا۔ اے ابوصفوان آپ اس وادی کے سردار ہیں۔ آپ کی پہلوتہی کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی پہلوتہی کریں گے۔ ابوجہل برابر اسرار کرتا رہا۔ امیہ جب مجبور ہو گیا تو یہ کہا کہ خدا کی قسم میں ایک نہایت عمدہ بہادر تیز اونٹ خریدوں گا۔ تاکہ جب موقع ملے تو راستہ ہی سے واپس آجاؤں گا اور اپنی بیوی ام صفوان سے کہا کہ سفر کا سامان تیار کر دے۔ ام صفوان نے کہا کہ تم کو اپنے یثربی بھائی کا قول (کہ تم محمد ﷺ کے اصحاب کے ہاتھ مارے جاؤ گے یاد نہیں۔ امیہ نے کہا خوب یاد ہے۔ میرا ارادہ جانے کا نہیں تھوڑی دور تک ساتھ جاتا ہوں اور پھر موقع پا کر واپس آجاؤں گا۔ اسی طرح تمام منزلیں طے کرتا ہوا بدر تک پہنچ گیا۔

جب بدر کے میدان میں آیا تو بلالؓ کی نظر پڑی۔ جن کو امیہ مکہ میں گرم پتھروں پر لٹایا کرتا تھا۔ حضرت بلالؓ نے امیہ کو دیکھتے ہی انصار کو پکارا۔ **راس الکفر امیة بن خلف لا نجوت ان نجایه.** کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف اگر آج وہ بچ کر نکل گیا تو میرا بچنا محال ہے۔ انصار یہ آواز سنتے ہی دوڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے وہ یہ چاہتے تھے کہ امیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار اور اسیر ہو جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ اس بہانہ اس کو ہدایت نصیب فرمائے اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ہاتھ میں کچھ زرہیں تھیں جو کافروں سے چھینیں تھیں۔ ان کو زمین پر ڈال دیا اور امیہ اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دیکھا کہ حضرت بلالؓ اور انصاری جوان انھیں کسی صورت میں نہیں چھوڑتے انھوں نے امیہ کے بیٹے کو ان کے حوالے کر دیا۔ انصار نے اسے قتل کر دیا اور امیہ کی طرف دوڑے۔ عبدالرحمٰن بن عوف اُن کے اوپر لیٹ گئے مگر حضرت بلالؓ اور انصار نے اسی حالت میں پیروں کے نیچے سے تلوار چلا کر امیہ کو قتل کر دیا۔ جس سے عبدالرحمٰن کے پیر پر زخم آ گیا اور مدتوں تک زخم کا نشان باقی رہا۔ عبدالرحمٰن بن عوف فرمایا کرتے تھے خدا بلال پر رحم فرمائے میری زرہیں بھی گئیں اور میرے

قیدی بھی ہاتھ سے گئے۔

ابوجہل عدواللہ فرعون امت رسول اللہ ﷺ کا قتل: حضرت سیدنا عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن ایک صف میں کھڑا تھا۔اچانک میں نے اپنے دائیں بائیں دونو جوان دیکھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔اے چچا کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں۔میں نے کہا تمھیں اس سے کیا کام ہے۔انھوں نے کہا۔

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سُنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

اس طرح دوسرے نے بھی آہستہ سے مجھ سے یہی سوال کیا۔میں نے ان سے کہا۔حفاظت کر رہا ہے گرد اس کے فوج کا دستہ (اس پہ انھوں ے جواب دیا) یہ دستہ کب تک روکے گا عزرائیل کا راستہ۔میں نے دونوں کو اشارے سے بتایا کہ سامنے ابوجہل ہے۔وہ دونوں باز کی طرح اس کی طرف جھپٹے اور آبدار تلواروں سے اس لعین اور شقی القلب ابدی جہنمی کو واصل جہنم کیا۔یہ دونوں نوجوان معاذ اور معوذ تھے۔جو عفراء کے بیٹے تھے۔حضرت معاذ سے پوچھا گیا کہ ابوجہل کو کیسے مارا گیا تو انھوں نے کہا۔بدر کے دن میں نے وار اس کی پنڈلی پر کیا۔جس سے اس کی پنڈلی جسم سے جدا ہو گئی اس کا لڑکا عکرمہ پیچھے سے آیا اور اس نے آتے ہی مجھ پر وار کیا اور میرا بازو کاٹ دیا؛ لیکن جسم سے تھوڑا سا لٹک رہا تھا۔میں اسی طرح جنگ کرتا رہا وہ لٹکا ہوا ہاتھ جنگ میں مزاحم ہو رہا تھا۔میں نے اس کو پاؤں کے نیچے رکھا اور زور لگا کر جُدا کر دیا اور جنگ کرنے لگا اس کے بعد معوذ نے ابوجہل پر وار کیا اور اسے قریب المرگ بنا دیا اور ہم دونوں بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ ہم نے ابوجہل کو فی النار کر دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کس نے قتل کیا۔ہم دونوں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا حضور ﷺ نے فرمایا اپنی تلواریں دکھاؤ۔ہم نے اپنی تلواریں پیش کیں۔آپ ﷺ نے ان دونوں کو دیکھ کر فرمایا تم دونوں نے قتل کیا ہے لیکن اس کا سامان معاذ لے گا۔کیوں کہ اس نے پہلا وار کیا ہے آپ نے سامان مجھ کو دے دیا۔

جب سورۃ رحمان نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اس سورۃ کو قریش کے سامنے کون پڑھے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں اس سورۃ کو قریش کے سرداروں کے سامنے پڑھوں گا۔ چناں چہ آپ نے مشرکین مکہ کے سامنے اس سورۃ کو پڑھ کر سنایا۔ ابوجہل نے آپ کے چہرے پر زور سے مکہ مارا۔ اس صدمے سے آپ کا ایک کان پھٹ گیا۔ حضور ﷺ نے جب عبداللہ بن مسعود ؓ کو اس حالت میں دیکھا تو بڑا صدمہ ہوا۔

اس غار میں بیٹھے تھے کہ جبرائیلِ امین حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں مسکرائے۔ حضور ﷺ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔ عرض کی اس کا سبب آپ کو جنگِ بدر میں معلوم ہوگا۔ چناں چہ جب جنگِ بدر کا دن آیا تو عبداللہ بن مسعود ﷺ اس وقت حاضر ہوئے۔ جب لڑائی ختم ہو چکی تھی عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے جہاد کی فضیلت جاتی رہی۔ آپ نے فرمایا: مقتول کفار کے پاس جاؤ جس میں ذرا سانس باقی ہو اس کو قتل کر دو۔ یعنی مکمل ختم کر دو۔ تمھیں شہادت کا مرتبہ مِل جائے گا۔ عبداللہ بن مسعودؓ گئے۔ کفار کی لاشیں تلاش کیں تو دیکھا ابوجہل ابھی کچھ سانسیں لے رہا تھا۔ اس کی چھاتی پر بیٹھ گئے اس پر ابوجہل نے کہا اے عبداللہ اپنے صاحب یعنی رسول اللہ ﷺ سے کہہ دینا کہ وہ میرے نزدیک (معاذ اللہ) تمام مخلوق سے بُرا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس بدزبان کا تلوار سے سر کاٹ ڈالا۔ پھر زیادہ بوجھل ہونے کی بنا پر اٹھا نہ سکے تو اس کے کان میں سوراخ کر کے رسی ڈال لی اور گھسیٹتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے۔ ادھر جبرائیل امین مسکراتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کی کان کے بدلے کان اور سر کے بدلے سر۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ابوجہل لعین نے آپ کی شان میں بکواس کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابوجہل اس امت کا فرعون ہے لیکن فرعونِ موسیٰ سے بھی بدتر ہے کیوں کہ اُس نے مرتے وقت خدا کی توحید کا اقرار کیا تھا۔

ملفوظاتِ نذر صابری

(دوسری قسط)

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر☆

۱۔ ایک روز میں ،صابری صاحب کی زیارت کے لیے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا۔اپنے کمرے میں استراحت فرمارہے تھے۔وہیں بلالیا۔اپنے بیڈ پر ہی اُٹھ کر بیٹھ گئے۔میں ان کے قریب دوسرے پلنگ پر بیٹھ گیا۔میری نظر کتابوں کی الماری کے اوپر مولانا نواب الدین چشتی صابری کی تصویر پر پڑھی۔ یوں لگا ،جیسے یہ صابری صاحب کی تصویر ہو۔میں نے عرض کیا: آپ نے تو بالکل اپنے شیخ کی صورت اوڑھ لی ہے۔یوں لگتا ہے جیسے یہ آپ کی تصویر ہو۔ فرمانے لگے: میں کیا اور میری حقیقت کیا؟ چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک۔کچھ دیر خاموش رہے، پھر گویا ہوئے۔میرے والد آخری عمر میں بالکل شیخ جیسے ہوگئے تھے۔وفات سے کچھ عرصہ قبل رمداس میں شیخ کو ملنے گئے اوران کے گھر کا راستہ بھول گئے۔گلی میں کھڑے نوجوانوں سے پوچھا تو وہ حیران ہوئے اور لگے کہنے کہ دیکھو! آج مولانا نواب الدین اپنے گھر کا راستہ بھول گئے ہیں۔(گویا نوجوانوں کواشتباہ ہوا کہ یہ کوئی اجنبی آدمی نہیں،خود مولانا کی ذاتِ گرامی ہے۔)

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

۲۔ فرمایا: جب میں نے بی اے (آنرز) میں داخلہ لیا تو پہلے دن انگریزی کی کلاس میں حاضر ہوا۔پروفیسر جو شاعری کی تدریس پر مامور تھے۔ولایت پلٹ تھے۔نہایت خوش لباس اور اوکسفرڈ کے لہجے میں انگریزی بولنے والے۔باری باری ہر طالب علم کا نام پوچھتے اور

☆ صدرِ شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

رجسٹر میں درج کرتے جاتے تھے۔ میری باری آئی۔ میں نے اُٹھ کر عرض کیا: غلام محمد (میں نے اپنا نام اضافت کے ساتھ بتایا۔) پروفیسر نے نام سن کر عینک اُتاری۔ رجسٹر بند کر کے میری طرف بغور دیکھا اور فرمایا: بن کے دکھاؤ تو جانیں۔ صابری صاحب فرمایا کرتے تھے۔، ان کے اس جملے نے مجھ پر بے پناہ اثر کیا اور ابھی تک اس کے کیف اور اس کی گرفت میں ہوا ہوں۔

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

۳۔ ایک روز انڈس بار سے اُٹھے۔ میں ردیف کی مانند ان کے ہمراہ تھا۔ رخ کالج کی طرف تھا۔ راہ چلتے ہوئے ایک جگہ رکے اور فرمایا: ایک مصرع ہوا ہے۔

میدانِ کربلا میں بہتر حسین تھے

محرم کے دن تھے۔ فرمایا: یہ مصرع عطا ہوا ہے۔ اس پر سلام کہوں گا۔

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

۴۔ فرمایا: جب محمد، علی اور حسن و حسین کا نام لیتا ہوں تو میری روح رقص کرتی ہے۔

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

☆☆☆☆☆

قسط ۔۔۔ا

سفر نامۂ حج

فیض محمد

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم سے رحمت اللعالمین کی نظر رحمت سے اور مرشدِ کامل کی توجہ سے مجھ جیسے سیاہ کار کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مرشدِ کریم کی نورانی صحبت میں جو لحاتِ مبارک نصیب ہوئے اور اُن کی مبارک زبان پاک سے جو کلماتِ مبارک ملفوظات کی صورت میں نکلے ہیں۔تحریر کے ذریعہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

یہ واقعات وحالات عرصہ چالیس پینتالیس سال سے میرے پاس محفوظ تھے۔عرصہ تین سال قبل میرا یہ پروگرام تھا کہ میں مرشد کریم کے عرس مبارک کے ایام میں تقریر کر کے عرض کروں۔بل کہ میں نے یہ مسودہ جو تیار کیا تھا۔جناب مولانا الحاج مُحبِ النبی دوست محمد شاہ صاحب دامت برکاتہم عالیہ کو دکھایا۔انھوں نے مکمل پڑھا اور فرمایا کہ انھیں ضرور بیان کرو۔ان کو بیان کر کے اللہ تبارک تعالیٰ اور رحمت اللعالمین کی رضائے کامل حاصل کرو اور مرشد کریم کی توجہ اور نظرِ شفقت سے بہرہ مند ہو۔

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا۔آخرِ کار حضرت قبلہ فخر الاولیا عاشقِ صادق الحاج پیر خواجہ غلام معین الدین مدظلہ العالی کے فرمان کے مطابق اور صاحبزادہ ڈاکٹر محمد امین الدین کی مشاورت سے قلمی صورت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

کروڑوں بار قربان جاؤں روئے زمین کے خوب صورت و حسین ترین شہر مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً کی زیارت میں نے اپنے مرشدِ کریم محدثِ اعظم فخر المشائخ عاشقِ صادق حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ کے قدموں میں کی۔

☆ محلہ محبوب خیل۔عیسیٰ خیل۔ضلع میانوالی

سال ۱۹۶۹ء میں مولانا عبدالرحمٰن نظامی جو گلیال علاقہ جنڈ [ضلع اٹک] کے رہنے والے تھے۔ عیسٰی خیل میں جامعہ محمدیہ رضویہ میں خطیب و مدرس تھے۔ اُن کی ہم راہی میں ٹبہ شریف۔ ترگ آستانہ عالیہ پر حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ وہ عرض کرنے لگے فیض محمد کو مرشدِ کریم کی بارگاہ میں بیعت کرانے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ قبلہ کریم نے تبسم فرمایا اور کہا یہ تو ہمارا مرید ہو چکا ہے۔ اب صرف ظاہری بیعت کرنا باقی ہے۔ میں نے دست بستہ عرض کی کہ یا حضرت مجھے مکھڈ شریف روضۂ مبارک حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ میں بیعت کے شرف سے مشرف فرمائیں۔

آپ نے میری اس عرض کو قبول فرما کر کہا کہ اسی ہفتہ صاحبزادہ غلام معین الدین مدظلہ العالی کو راولپنڈی میں ایک ڈاکٹر غالباً کرنل غلام محی الدین سے چیک اَپ کرانا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ آجائیں؛ واپسی پر آپ کو مکھڈ شریف میں بیعت کریں گے۔ الحمدللہ دس یوم کے اندر مرشد کریمؒ کے ساتھ پروگرام کے مطابق راولپنڈی گیا اور واپسی مکھڈ شریف میں حضرت مولانا صاحبؒ کی قبرِ انور کے سامنے مجھ سیاہ کار کو بیعت سے سرفراز فرمایا۔ واپسی آستانہ عالیہ ٹبہ شریف سے ہوتے ہوئے عیسٰی خیل اپنے گھر پہنچا۔

قبلہ و کعبہ مرشدِ کریم کی بیعت کے ایک ہفتہ بعد آستانہ عالیہ ٹبہ شریف پر زیارت کے لیے حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ فیض محمد کونسی ملازمت کرتے ہو۔ میں نے عرض کی حضور محکمۂ مال میں پٹواری ہوں۔ آپؒ نے میرا جواب سُن کر اپنے سر مبارک کو نفی میں ہلایا اور فرمایا کہ یہ نوکری اچھی نہیں ہے۔ واپس گھر آیا۔ حالاں کہ مجھ کو عرصہ تقریباً ۷ سال ہونے والے تھے۔ دفترِ تحصیل میں بُلا کر مجھ کو نوکری کی برخاستگی کا پروانہ دیا گیا۔ جس میں یہ عندیا دیا گیا چوں کہ تم بہت جونیئر ہو اور تم سے ایک سینیئر پٹواری موجود ہے۔ اس لیے تم کو برخاست کیا جاتا ہے۔ میرے والدِ محترم جو اَب مرحوم و مغفور ہیں۔ اُس وقت حیات تھے۔ وہ اور تمام گھر والے میری اس اچانک نوکری کے خاتمہ پر خاصے پریشان تھے مگر میں خود پُر اُمید تھا کہ ان شاءاللہ تعالیٰ

خدائے بزرگ و برتر کرم فرمائیں گے۔

دوسری بار ہفتہ عشرہ کے بعد آستانہ عالیہ پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے مرشد کریمؒ سے عرض کی یا حضرت مجھ کو نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا: کہ فیض محمد پریشان نہیں ہونا اللہ کریم تم کو جلد اچھی باعزت کرسی والی نوکری عطا فرمائے گا۔

آپؒ کی زبان مبارک سے جو الفاظ مبارک نکلے تھے ویسا ہی کرم ہوا۔ مجھ کو تقریباً پندرہ دن کے بعد مکڑوال لیز میں بہ طور پٹواری ملازمت مل گئی۔ علیحدہ دفتر تھا۔ کرسی والی نوکری تھی۔ یہاں پر آکر جب حالات کا جائزہ لیا تو لوٹ گھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ ہزاروں روپے ہر ماہ عوام سے لیز والے سڑکوں کے کرایہ کے طور پر وصول کرتے۔ جس میں ۲/۱ حصہ پٹواری کا ہوتا تھا۔ اللہ کریم کے فضل و کرم سے اور قبلہ و کعبہ مرشد کریمؒ کی نگاہ پاک سے حرام خوری سے بالکل محفوظ رہا۔ رزقِ حلال پر اکتفا کیا۔ اس میں میرا کچھ کمال نہ تھا۔ نگاہِ مرشد کام کر رہی تھی۔

مکڑوال لیز میں جمعتہ المبارک کو تعطیل ہوتی۔ جمعرات کو ۳ بجے چھٹی ہو جاتی تھی۔ میں نے ہر ماہ ایک معمول بنا رکھا تھا۔ کہ ۲ چھٹیاں گھر گزارتا اور ۲ چھٹیاں آستانہ عالیہ ٹبہ شریف پر گزارتا۔ جس جمعرات کو ٹبہ شریف پر آتا تو رات گذار کر کبھی نمازِ فجر پڑھ کر مرشد کریمؒ اجازت فرما دیتے اور کبھی نمازِ جمعہ کے بعد اجازت فرماتے۔ میں اپنے گھر عیسیٰ خیل چلا جاتا۔

دسمبر ۱۹۷۰ء کے آخری عشرے کا واقعہ ہے۔ حسبِ پروگرام جمعرات کو آستانہ عالیہ پر حاضری نصیب ہوئی۔ مرشد کریمؒ کی اقتدا میں نمازِ عشاء ادا کی۔ آپ فرمایا: ''فیض محمد آج تمھارا رات کا قیام ساوی [سبز] کوٹھی میں ہے''۔ ساوی کوٹھی ایک معروف جگہ تھی جہاں آپ اکثر تشریف فرما ہوتے تھے۔ مجھ کو حکم ہوا کہ تم ساوی کوٹھی کی طرف جاؤ۔ ہم بھی تھوڑی دیر کے بعد آئیں گے۔ میں نے عرض کی یا حضرت میٹھا تیل بھی لانا۔ میں آپ کے سر مبارک کی مالش کروں گا۔ غلام حُسین حقانی کمر شانی والا مرحوم آپ کے سر مبارک کی مالش کرتا تھا۔ آپ اس پر بہت مہربان تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد میرے مرشد کریمؒ اپنے ہاتھ مبارک میں تیل کی بوتل لے کر تشریف

لائے۔ مرشدِ کریمؒ اور میرے سوا کوئی اور فرد موجود نہ تھا۔ میں نے آپؒ کے سر مبارک کی مالش شروع کی۔ ہر کام کا طریقہ و سلیقہ ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد مرشدِ کریمؒ نے فرمایا: ”فیض محمد تم صحیح طریقہ سے مالش نہیں کر سکتے ہو۔ تمھارے خلوص کا تمھیں ثواب مل گیا ہے۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ تا کہ آپؒ کے ارشادات سے مستفید ہو سکوں۔

میرا ہمیشہ سے ایک معمول رہا کہ جب بھی علما کی محفل میں حاضری کا شرف نصیب ہوتا تو اُن سے مسائل پوچھتا اور اگر اولیاء اللہ کی محفل نصیب ہوتی تو اُن سے وظائف پوچھتا۔ اس سے زیادہ میری خوش بختی کیا ہو سکتی ہے کہ میرے مرشدِ کریمؒ میرے سامنے موجود تھے۔ میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا۔ اپنے مرشدِ کریمؒ سے عرض کی۔ یا حضرت کریم آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں آپ بتائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا بات پوچھتے ہو۔ میں نے عرض کی۔ یا حضرت کریم آپ کو بیعت کرنے کی اجازت کس نے مرحمت فرمائی۔

میری یہ بات سن کر مرشدِ کریمؒ بالکل خاموش ہو گئے۔ کافی دیر تک خاموش رہے۔ میں نے عرض کی یا حضرت مجھے جواب عطا فرمائیں تا کہ دِل کو تسلی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ فیض محمد میں حیران ہوں تمھارے اس سوال پر کہ یہ بات تمھارے ذہن میں کیسے آئی۔ اب تک مجھ سے نہ تو اولاد، شاگردوں اور دوست احباب میں سے کسی نے یہ بات نہیں پوچھی جو تم آج پوچھ رہے ہو۔ میں نے عرض کی یا حضرت ضرور مہربانی فرمائیں۔ میرے بے حد اصرار پر آپ قبلہ مرشدِ کریم نے ارشاد فرمایا پہلے مجھ کو اپنے نانا جی قبلہ حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ نے خواب میں آ کر فرمایا کہ مولوی زین الدین تم کو بیعت کرنے کی اجازت ہے۔ تم بیعت کیا کرو۔ میں نے عرض کی یا حضرت میں اس قابل نہیں ہوں۔ دوسری بار پیر پٹھان خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ بھی خواب میں تشریف لائے اور فرمایا۔ مولوی زین الدین کہ تم کو بیعت کرنے کی اجازت ہے تم بیعت کیا کرو۔ میں نے اُن کے سامنے ہاتھ باندھ کر عرض کی یا حضرت میں اس قابل نہیں ہوں۔ تیسری بار آقائے نمبری کریم رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خود حالتِ بیداری میں عصر کی نماز کے بعد تشریف

مبارک لائے اور مجھ کو فرمایا کہ میں اپنی قمیض کے بٹن کھولوں۔ میں نے جب اپنی قمیض کے بٹن کھولے تو آقائے کریم مصطفیٰ ﷺ نے میرے سینے کو دم فرمایا اور فرمایا کہ اے مولوی زین الدین تم کو بیعت کرنے کی اجازت ہے اور تمھارا مرید بالواسط ہمارا مرید ہوگا۔ اور میری شان میں جو کتاب ''نجم الھدیٰ'' جو تم لکھ رہے ہو اس کتاب کو جلدی مکمل کرو وہ ہم کو بہت پسند ہے۔

کتاب مبارک ''نجم الھدیٰ'' کا یہ سیاہ کار تین بار مطالعہ کر چکا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ میرے مرشدِ کریم آقائے رحمت رحمت اللعالمین کی ذات کریم کی محبت اور ادب عشق ﷺ کے ایسے نورانی موتی بکھیرے ہیں۔ سبحان اللہ۔ یہ فیض نورانی آقائے تاجدار رحمت اللعالمین کی نورانی ذات مبارک سے مرشدِ کریم کو حاصل ہوا تھا۔

۱۹۷۲ء خشکی کے راستے حرمین شریفین کے نورانی سفر کے موقع مبارکہ پر نورانی جالیوں کے سامنے پیش فرمائی اور اللہ اور اُس کے پیارے رسول ﷺ کی محبت کے حق دار ٹھہرے۔ سبحان اللہ جولائی ۱۹۷۱ء کا ذکر ہے۔ میں مکڑوال [تحصیل عیسیٰ خیل۔ میانوالی] کی لیز میں ملازم تھا۔ صحیح تاریخ یاد نہیں ہے۔ بہ ہر حال بدھ کا دن تھا۔ آستانہ عالیہ ٹبہ شریف سے یہ فرمان آیا کہ کل جمعرات کی چھٹی لے کر آج شام تک میانہ والا پہنچ جانا۔ ہم بھی شام سے پہلے میانہ والے پہنچ جائیں گے اور کل جمعرات صبح اصحابہ کی زیارت پر جائیں گے۔ تم بھی ہمارے ساتھ یہ زیارت کرو۔ میں نے مرشدِ کریم کے فرمان کے مطابق جمعرات کی دفتر سے چھٹی مانگی۔ اور میانہ والے ۲ مزدور جو یہاں ڈیوٹی کرتے تھے۔ اُن کے ساتھ روانہ ہو کر عصر کی نماز کے بعد میانہ والا میں پہنچا۔ وہاں پر مرشدِ کریم کی قدم بوسی اور زیارت کی اور اُن کے ساتھ شب قیام کیا۔

جمعرات کو صبح نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر مرشدِ کریم گھوڑی پر سوار ہو کر صحابہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ تقریباً تیس یا بتیس عقیدت مند آپ کے ساتھ تھے۔ جوں ہی میانہ والا گاؤں سے باہر نکلے تو جنوب کی جانب سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ قدم بوسی کے بعد عرض کی یا حضرت ایک عرض کرنی ہے۔ آپ نے فرمایا کہو تو اُس نے کہا کہ مجھ کو ۱۰ سال سے زائد کا عرصہ

ہو گیا ہے میں حضرت میاں ملوک صاحبؒ (گندل، تحصیل عیسٰی خیل۔ میانوالی) والے بزرگ کی ایک منت دینی ہے۔ دُنبہ کی منت۔ جو کہ آج تک پوری نہ کر سکا۔ اُس شخص کے یہ الفاظ تھے یا حضرت قبلہ مرشدی کوئی آسانی فرمائیں۔ تو مرشدِ کریم نے گھوڑی پر بیٹھے ہوئے اپنے چہرہ مبارک کا رُخ جانبِ جنوب کر لیا اور اپنی آنکھوں کو بند کر کے مراقبہ کیا۔ پانچ منٹ کے بعد فرمایا کہ حضرت میاں ملوک صاحبؒ نے اجازت دی ہے۔

تم گھر جا کر دُنبہ کو ذبح کرو۔ کھانہ تیار کرو۔ ہم تمہارے گھر آ کر کھانہ بھی کھائیں گیں اور حضرت میاں ملوک صاحبؒ کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب بھی کریں گے۔ وہ شخص خوشی خوشی اپنے گھر چلا گیا اور دعوت کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مرشدِ کریمؒ کے ساتھ زیارات صحابہ کرام پر پہنچے اور حویلی کے اندر ایک قبر مبارک کے قریب مرشدِ کریم دوزانو ہو کر بیٹھے اور مراقبہ شروع کر دیا۔ باقی تمام ساتھی جن کی تعداد میں پہلے بھی تحریر کر چکا۔ تیس بتیس کے قریب تھی۔ پانچ سے سات منٹ تک دعائیں مانگ کر حویلی سے باہر آ گئے۔ مرشدِ کریمؒ نے دو اڑھائی گھنٹے مراقبہ فرمایا اور جب مراقبہ سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ میں ساتھ بیٹھا ہوں۔ مسکرا کر فرمایا کہ فیض محمد تم یہاں بیٹھے رہے۔ عرض کی، جی حضور یہ احقر یہاں بیٹھا رہا۔ تمام احباب کے لیے اجتماعی دعا فرمائی اور گھوڑی پر سوار ہو کر واپس میانے والا [عیسٰی خیل] میں تشریف لے گئے۔ جب کھانا تیار ہوا تو تمام ساتھیوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور حضرت میاں ملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک کو کھانے کا ایصالِ ثواب فرمایا اور قیلولہ فرمانے لگے۔

ابھی تمام ساتھی سو رہے تھے کہ مرشدِ کریم نمازِ ظہر کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ راقم تو جاگ ہی رہا تھا۔ کیوں کہ مرشدِ کریم کے ساتھ سفر نصیب ہو تو جاگتا رہتا ہوں۔ میں نے دیکھا مرشد کریم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپ بہت خوش تھے اور تنہا مسکرا رہے تھے۔ تو میں نے عرض کی یا حضرت قبلہ جی آج کوئی خاص بات ہے۔ آپ بہت خوش ہیں تو فرمایا کہ فیض محمد مجھے علم ہے تم کو بات بتانی ہو گی تو میں نے عرض کی قبلہ حضرت جی جلدی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: فیض محمد

پہلے وضو کراؤ بعد میں بتاؤں گا۔ جب وضو مکمل کیا تو میں نے عرض کی یا مرشدِ کریمؒ نظرِ رحمت فرمائیں۔ آج ہم نے دو قبور کی زیارت کی ہے یہ صحابہ کرام نہیں ہیں بل کہ اولیاء اللہ ہیں۔ یہ کابل افغانستان کے رہنے والے ہیں اور حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ ایک کا نام میاں مسعود اور دوسرے کا نام میاں مقصود ہے۔

آج میں نے ان کے پاس آ کر مراقبہ کیا اور ان کو عرض کہ میں نے بحری جہاز اور ہوائی جہاز پر کئی مرتبہ سفرِ حج کی سعادت حاصل کر چکا ہوں اب خواہش ہے کہ خشکی کے راستے حجِ مبارک اور بغداد شریف، کربلا معلیٰ، نجف اشرف تمام مقامات کی زیارتیں بھی نصیب ہو جائیں اور حرمین شریفین کی حاضری بھی نصیب ہو جائے۔ ان سے عرض کی کہ آپ بارگاہِ رب العالمین اور بارگاہ رحمت اللعالمین میری عرضی پیش فرمائیں تا کہ منظوری ہو جائے اور یہ سعادتیں نصیب ہو جائیں۔

فیض محمد یہ دونوں حضرات میری باتیں سنتے رہے مگر بالکل خاموش رہے۔ اب جب میں قیلولہ کے لیے آرام کر رہا تھا تو یہ دونوں حضرات آ گئے اور مجھ کو خواب میں مبارک باد دی کہ تم خشکی کے راستے حج مبارک بھی کرو گے اور تمام زیارتیں بغداد شریف، کربلا معلیٰ اور نجف اشرف کی زیارات کے فیوض و برکات بھی حاصل کرو گے۔ فیض محمد مجھ کو وہ بس بھی دکھائی گئی جس میں سفر کرنا تھا اور مجھ کو فرمایا کہ ان حاجیوں میں بہت زیادہ آپ کے مریدین ہیں اور مجھ کو تمام ساتھی جو بس میں سوار تھے بالکل واضح طور پر دکھائے۔ جن میں غلام معین الدین، محمد قطب الدین، محمد حسین غلام فرید تھے گُل امام فوجی میانہ والا، مہروان لوہار سلطان خیل، خان میر خان سلطان خیل، عبدالستار زنگی خیل، سلطان خیل محمد ممتاز خان داؤد خیل، محمد عارف قریشی، غلام حسن شیخ آباد، خان محمد گوانوالہ ابھی اور بھی نام بتا رہے تھے تو میں نے پوچھا حضرت یہ احقر فیض محمد بھی ان میں موجود ہے تو فرمایا کہ مجھ کو شک ہے۔ کہ تم بھی شامل ہو تو میں نے عرض کی یا حضرت سبحان اللہ میری باری آئی تو شک ہے بل کہ پک کراؤ تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ خدا تم کو بھی ہمارے ساتھ حج مبارک اور زیارتیں نصیب فرمائے گا۔ اللہ رحم کرے گا۔ اتنے میں باقی تمام ساتھی

بھی اُٹھ کر نماز کی تیاری کرنے لگے۔

جمعرات کو عصر کے بعد آپ واپس آستانہ عالیہ ٹبہ شریف پر تشریف لے گئے اور میں بھی اجازت لے کر عیسیٰ خیل چلا گیا۔ اگر میں اپنے متعلق نہ پوچھتا تو مرشدِ کریم تمام احباب کے نام مجھ کو بتا دیتے؛ کیوں کہ اُن کو سامنے دیکھ رہے تھے اور خواب میں آپ کو جو بس اور اس میں حاجی صاحبان دکھائے گئے تھے وہ سبھی آپ کو اچھی طرح یاد تھے۔ آج تک یہ خواب ایک راز کی صورت میرے سینہ میں محفوظ رہا۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ ایسے خواب کسی پر ظاہر نہ فرماتے۔ یہ اُن کی عطا تھی۔ حسبِ معمول ٹبہ شریف آستانہ عالیہ پر ہر ماہ دو دفعہ حاضری ہوتی۔ یہاں آپ کی نورانی محفل میں عجب کیفیات نصیب ہوتیں۔ غالباً ماہ اکتوبر کے اخیر یا نومبر اوائل کے دن تھے۔ ایک محفل میں آپ نے ارشاد فرمایا: فیض محمد اس طرح کرتے ہیں پاسپورٹ بنواتے ہیں۔ کیوں کہ خشکی کے سفر میں افغانستان، ایران، عراق، کویت سے ہو کر سعودی عرب مکۃ المکرّمہ، مدینہ المنورہ جانا ہوگا تو نیا پاسپورٹ ضروری ہے۔ مزید فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کریم یہ سفر حرمین شریفین خشکی کے راستے ہمیں عطا فرمائیں گے۔ قافلہ بھی بن جائے گا۔ محمد اسلم خان جلندر خیل ترگ شہر کا باسی تھا، اسے حکم دیا کہ تم میرا، غلام معین الدین، قطب الدین [مرحوم] اور فیض محمد کا پاسپورٹ بنواؤ۔ اُس وقت پاسپورٹ راولپنڈی سے تیار ہوا کرتے اور بڑی دشواری سے گزرنا پڑتا۔ ایک پاسپورٹ پر خرچ ایک ہزار اُٹھ رہا تھا۔ اللہ کریم محمد اسلم خان کو خوش رکھے کہ اس نے مرشد کریم کے فرمان کے مطابق ۴ پاسپورٹ تیار کرا دیے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں آستانہ عالیہ ٹبہ شریف خود آ کر مرشد کریم کی خدمت میں پیش کیے۔ مئی ۱۹۷۲ء میں ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان تھے۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ اس مرتبہ خشکی کے راستے حج پر جانے کی اجازت ہے اور حج کا خرچہ ۲۶۰۰ روپے فی کس ہوگا۔ یہ اعلان ہمارے لیے خوشی کی نوید تھا؛ اور میرے مرشد کریم کے اُس خواب کی تعبیر تھی جو کہ آپ نے میانے

والا میں مراقبہ فرمایا تھا اور اُن دو اولیائے کاملین حضرت میاں مقصودؒ اور میاں مسعود صاحبؒ نے خواب میں آ کر نہ صرف مبارک یاد تھی بلکہ وہ بس بھی دکھائی تھی اور وہ آدمی جنھوں نے آپ کے ساتھ خشکی کے راستے حج پر جانا تھا، دکھائے تھے۔ وہ یہ اعلانِ حج سُن کر مرشد کریم کے پاس آستانہ عالیہ پر شریف ایک بڑی تعداد میں عقیدت مند حاضر ہوئے اور عرض کی حضرت ہم آپ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حکومت کی طرف سے اعلان ہو تو پھر گروپ کی صورت میں درخواستیں جمع کرائیں گے۔ جون ۱۹۷۲ء میں حکومت کی طرف سے اعلان ہوا کہ حج کی درخواست کے ساتھ ۷۰۰ روپے نیشنل بینک میں جمع کرا کر درخواست اس وقت کے وزیر مذہبی امور مولانا کوثر نیازی کے نام رجسٹری کرائی جائے۔

حکومت کے اعلانِ حج کی درخواستوں کے بعد مرشدِ کریم نے باہم مشورہ سے ان حضرات کو جو آپ کے ساتھ حج پر جانے کے خواہش مند تھے؛ جامع مسجد عیسیٰ خیل (اڈہ والی) میں وقتِ مقررہ پر بلوایا۔ جمعرات کا دن تھا۔ مجھے بھی یاد کیا گیا۔ کہ دفتر سے سیدھا گھر پہنچوں۔ صبح مقررہ وقت پر سبھی خوش نصیب مسجد میں جمع ہو چکے تھے۔ ان میں دو افراد کالا باغ سے بھی تشریف لائے تھے۔ نوافل و دُعا کے بعد خواہش مند حضرات کی درخواستیں جمع ہونے لگیں۔ ہر ایک درخواست کے ساتھ ۷۰۰ روپے نیشنل بینک میں جمع کرانا تھا۔ مرشدِ کریم نے اپنی درخواست کے ساتھ دونوں صاجزادگان کی درخواستیں اور میری درخواست کے پیسے خود جمع فرمائے۔ باقی رقم جو "۱۹۰۰" بنتی تھی۔ ایک ماہ کے اندر اسی بینک میں جمع کرانی تھی۔

ہمارے گروپ کے دوستوں کی تعداد غالباً تیس بتیس تھی۔ حضرت نے اٹھارہ یا اُنیس دوستوں کو فرمایا کہ اپنی رقم کے ساتھ ہر ایک سو روپے زائد لائے۔ یہ رقم بہ طورِ اُدھار فیض محمد کے لیے لانی ہے؛ اور اس کی واپسی میرے ذمہ ہوگی۔ سبھی دوستوں نے اس حکم پر آمین کہی۔

مرے والد غلام رسول جو رضا کار کے نام سے موسوم ہیں۔ اُس وقت تحصیل دفتر میں بطور فراش ملازم تھے۔ (فراش) جو کہ پرانا ریکارڈ محکمہ مال میں موجود ہوتا اس کی صفائی کرنے

والے کوفراش کہتے ہیں۔

لقمان پٹواری مرحوم جو رحمان ہوٹل والے کالڑکا تھا اور سلطان خیل محکمہ مال میں پٹواری تھا۔ وہ بھی قبلہ مرشد کریم کا مرید تھا اور ساری کاروائی میں شامل تھا۔ اس نے تحصیل دفتر جا کر والد صاحب مرحوم کو یہ بتایا کہ تمہارا لڑکا فیض محمد حج پر حضرت خواجہ غلام زین الدین صاحب ٹبہ شریف والے کے ساتھ جا رہا ہے۔ اس کی درخواست بھی جمع ہوگئی ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ قبلہ حضرت صاحب تمام مریدوں کو فرما رہے تھے کہ فیض محمد کے لیے ۱۰۰ روپیہ بطور قرض لانا۔ اس نے والد صاحب کو ڈرایا کہ اٹھارہ یا بیس آدمیوں میں سے فیض محمد کن کن کو قرضہ دے گا۔ یہ بات سُن کر والد صاحب ناخوش ہوئے۔ مجھے اس بات کا قطعی علم نہ تھا۔ کالاباغ سے ۲ آدمیوں کے کچھ کاغذ باقی تھے انھوں نے صبح میری طرف پہنچانے تھے۔ اور پھر مجھے ساری درخواستوں کو مولانا کوثر نیازی کے نام رجسٹری کرنا تھی اور مرشد کریم نے فرمایا تھا کہ فیض محمد یہ تمام درخواستیں رجسٹری کر کے نمازِ جمعہ ٹبہ شریف آ کر پڑھنا۔

ادھر جب میں گھر پہنچا تو یہاں کا ماحول بہت گرم تھا۔ والد صاحب مرحوم بہت ناراض ہوئے کہ پہلے والدین حج کرتے ہیں پھر اولاد کرتی ہے۔ جب حج کر کے آؤ گے تو ایک حاجی کہے گا مجھ کو قرضہ واپس کرو۔ دوسرا کہے گا مجھ کو قرضہ دو۔ کس کس کو قرضہ دو گے۔ جب کہ ایک تنخواہ پر گھر کا گذارہ چل رہا ہے اور یہ بھی کہا کہ شرعی طور پر قرضہ لے کر حج نہیں ہوتا۔ میں اُس وقت راضی ہوں گا کہ اپنی درخواست نکال لو اور پیر صاحب کی خدمت میں عرض کرو کہ اس سال نہیں جا سکتا آپ دُعا فرمائیں تا کہ اگلے سال اپنے پیسوں سے حج پر جا سکوں۔ ساری رات اسی کشمکش میں گذاری کہ کیا کروں۔ مرشد کریم کا فرمان ہے کہ درخواست رجسٹری کراؤ۔ والد صاحب کا حکم ہے کہ درخواست نکال لو۔ میرے لیے بڑا مشکل فیصلہ تھا کہ کیا کروں۔ اگر حج کی درخواست جو رجسٹری کرنی ہے مرشد کریم کا فرمان ہے۔ رجسٹری کرتا ہوں تو والد صاحب سخت ناراضی کا اظہار کریں گے۔ اگر والد صاحب کے کہنے کے مطابق درخواست نکال لوں اور رجسٹری نہ کراؤں تو

مرشد کریم روٹھ جائیں گے۔
اللہ کریم نے بڑا کرم فرمایا۔ میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی کہ والد صاحب کو اور مرشد کریم کو ایک جگہ پر اکٹھا کیا جائے اور جو دونوں حضرات میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ وہی قبول کرلوں گا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ والد صاحب کو پیر خانہ تک کیسے لے جایا جائے۔ میں نے اماں مرحومہ سے عرض کی کہ آپ بابے کو کہیں کہ وہ میرے ساتھ مرشد خانہ چلیں۔ وہاں جو فیصلہ ہوگا۔ اُسے بہ خوشی قبول کروں گا۔

پہلے تو والد صاحب مرحوم نے انکار کردیا لیکن والدہ صاحب کے بار بار اصرار پر مان گئے اور یہ بھی کہا کہ میں آپ کے مرشد کریم کو کہوں گا کہ شریعت میں قرض دار کا حج نہیں ہوتا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ کو اجازت ہے گھر سے اڈا پر آئے۔ بس پر سوار ہو کر ترگ پہنچے۔ وہاں تقریباً ایک دو کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کرتے ہوئے آستانہ عالیہ تک پہنچے۔ راستے میں والد صاحب نے بالکل کوئی بات نہیں کی، خاموش رہے۔ آستانہ عالیہ پر پہنچے تو لنگر کی ایک خادمہ آرہی تھی۔ اس کو میرے متعلق پورا علم تھا کہ فیض محمد نے آج جمعہ کے وقت آنا تھا پہلے کیوں آگئے؟ میں نے کہا کہ جا کر مرشد کریم سے عرض کریں کہ آپ باہر تشریف لائیں۔ فیض محمد اپنے والد کے ساتھ آیا ہے۔ خادمہ کی بات سن کر مرشد کریم فوراً باہر تشریف لائے۔

جلیل

اِن دونوں صاجزادہ محمد جلیل احمد صاحب یہاں تشریف فرما ہوتے ہیں، اسی جگہ ایک پرانا کمرہ تھا۔ وہاں پر تشریف فرما ہوئے۔ غالباً ایک کمر مشانی کا آدمی بھی موجود تھا۔ قدم بوسی ہوئی تو مرشد کریم نے فرمایا کہ فیض محمد تم نے درخواستیں رجسٹری کرا کر آنا تھا۔ میں نے دِل میں کہا یا قبلہ مرشد کریم رات کو میرے والد صاحب رجسٹری کرتے رہے ہیں۔ والد صاحب عرض گذار ہوئے۔ آپ کی والد صاحب سے واقفیت تھی۔ والد صاحب کے دل میں بھی آپ کا بڑا احترام تھا۔ والد صاحب نے عرض کی۔ یا حضرت سُنا ہے فیض محمد آپ کے ساتھ حج پر جا رہا ہے اور طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ پہلے والدین حج کرتے ہیں بعد میں اولاد کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فیض محمد

ساتھیوں سے قرضہ لے کر کر جا رہا ہے۔ اس کی تنخواہ پر گھر کا گذر اوقات ہوتا ہے۔ یہ اٹھارہ بیس آدمیوں کا کس طرح قرضہ ادا کرے گا۔ ہر آدمی کہے گا کہ پہلے مجھ کو رقم قرضہ واپس کرو۔ تیسری گزارش یہ کہ قرضہ لے کر شریعت میں حج نہیں ہوتا۔ یہ فتویٰ بھی والد صاحب مرحوم نے دے دیا۔ میرے مرشد کریم بڑی خوشی سے میرے والد صاحب کی ساری باتیں سنتے رہے؛ اور پھر فرمایا کہ غلام رسول صاحب اور بھی کوئی بات کرنی ہے تو وہ بھی بلا خوف کر لو۔ والد صاحب نے کہا قبلہ یہ تین باتیں تھیں۔ قربان لاکھوں بار مرشد کریم پر آپ یوں گویا ہوئے۔

۱۔ غلام رسول صاحب سن لو یہ فیض محمد مجھ کو اتنا پیارا ہے۔ جتنا چن ماہی ،نصیر الدین ،قطب الدین، علاؤ الدین پیارے ہیں۔

۲۔ رقم حج کی ۲۶۰۰ روپیہ میں ۷۰۰ روپیہ میں نے خود جمع کرائی ہے۔ باقی ۱۹۰۰ روپیہ میں خود اُن تمام ساتھیوں کو کہا ہے کہ یہ میری ذمہ داری ہے وہ قرضہ فیض محمد کے لیے دیں۔ قرضہ کی واپسی کا بھی سن لیں۔ پشاور میں حج روانگی سے پہلے ہر حاجی کو ۱۱۰۰ روپیہ بطور زرِ مبادلہ اخراجات حج کے لیے ملے گا۔ تو وہ ۱۱۰۰ روپیہ میں گیارہ آدمیوں کو پشاور فیض محمد والا زرِ مبادلہ کی رقم واپس کر دیں گے۔ باقی رہا ۸۰۰ روپیہ میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں۔ کہ فیض محمد سے کوئی حاجی رقم نہ مانگے گا۔ ہمارے گروپ میں پشاور سے مدینہ منورہ تک اور مدینہ منورہ سے مکۃ المکرمہ اور واپسی تک فیض محمد کا ایک روپیہ خرچ نہ ہوگا۔ وہ اس طرح کہ مجھ کو ساتھی میرے حصہ کی روٹی دیں گے۔ تو وہ آدھی روٹی میں کھاؤں گا۔ آدھی روٹی فیض محمد کھا لے گا۔ اگر حصہ کے برابر ایک پیالہ چائے کا مجھے ملے گا؛ تو آدھا پیالہ چائے کا میں پیوں گا آدھا فیض محمد پی لے گا۔ اور تمھارے لیے بھی دُعا کریں گے اللہ کریم تم کو بھی حج کرائے گا۔ اس لیے میں کہوں گا فیض محمد کو بھی اجازت دیں۔ میرے مرشد کریم کی یہ مبارک گفتگو سن کر میرے والد صاحب کے آنکھوں میں آنسو نکل آئے اور فرمایا کہ قبلہ آپ کی اتنی عنایات ہیں تو میں دل سے اجازت دیتا ہوں۔ دُعا فرمائیں۔ پھر میرے مرشدِ کریم نے دُعا فرمائی اور ان سے اجازت لے کر گھر آ گیا۔

حج درخواستوں کی منظوری کی اطلاع دی گئی۔ ماہ جولائی ۱۹۷۲ء میں آخری پروگرام بتایا گیا کہ تمام عازمین حج جو خشکی کے راستہ حرمینِ شریفین جا رہے ہیں۔ بعض گروپوں کی روانگی کوئٹہ بلوچستان سے ہونی تھی اور بعض کی پشاور صوبہ سرحد [خیبر پختون خواہ] سے روانگی ہونی تھی۔ قبلہ مرشد کریم کے گروپ کی روانگی پشاور سے ہونی تھی۔ اس لیے اطلاع دی گئی کہ تمام عازمینِ حج جو مرشد کریم کے گروپ میں شامل تھے وہ یکم دسمبر ۱۹۷۲ء پشاور حاجی کیمپ میں پہنچ جائیں اور مورخہ ۱۹۷۲-۱۲-۳ کو روانگی حج مبارک بہ ذریعہ لیپ سروس ہونی تھی۔ الحمد اللہ قبلہ و کعبہ مرشد کریم کی نورانی محبت میں اپنے گھروں سے روانہ ہو کر عشاء کے وقت پشاور حاجی کیمپ میں پہنچ گئے۔ حکومت نے پشاور شہر سے باہر جی ٹی روڈ پر حاجی کیمپ بنایا تھا۔ ۳، دسمبر کو روانگی نہ ہو سکی۔

کیوں کہ کاغذات نامکمل تھے۔ بتایا گیا ۵، دسمبر کو روانگی ہو گی۔ ۵، دسمبر کو بتایا گیا ۷، دسمبر کو ہو گی۔ بعد میں ۹، دسمبر کی تاریخ مقرر ہوئی۔ مرشدِ کریم نے روزانہ کے بدلتے ہوئے پروگرام کو دیکھا تو ۱۰، دسمبر کو محفلِ میلاد منانے کا اعلان کیا اور فرمایا کل انشاء اللہ تعالیٰ روانگی ہو گی اللہ کریم کے فضل و کرم اور محفلِ میلاد النبی ﷺ کی برکت سے ۱۱، دسمبر کو دن ۱۱ بجے پشاور حاجی کیمپ سے سفر حرمینِ شریفین کے مبارک سفر کے لیے روانگی ہوئی۔ ہمارے قافلے میں ۵ بسیں، ایک ایمبولینس اور ایک امیر کی کار شامل تھی۔ ہمارے قافلے کا امیر پشاور کا آفریدی پٹھان تھا۔

طورخم سے افغانستان کی حدود میں داخل ہو گئے اور یوں جلال آباد سے ہوتے ہوئے رات کابل میں جمیل ہوٹل پہنچے۔ سخت ترین یخ بستہ سردی کا موسم تھا۔ صبح جب کابل سے روانہ ہوئے تو پہاڑوں پر ایسی برف جمی ہوئی تھی جیسے سفید پہاڑ ہوں۔ نمازِ ظہر غزنی میں ادا کی۔ حضرت سلطان محمود غزنی ؒ کی آخری آرام گاہ بالکل روڈ کے ساتھ تھی۔ وہاں نہیں ٹھہرے بل کہ بس میں ہی اس خدا رسیدہ بادشاہ کی روح کو ایصال ثواب کیا اور دعائیں مانگی۔ رات کو مندھار ہوٹل، قندھار میں بسر کی۔ اگلے روز، دن بھر سفر کرتے ہوئے رات کو ہرات میں پہنچے؛ اور رات ہرات ہوٹل میں بسر کی۔ صبح ہرات سے روانگی ہوئی اور ہرات شہر سے قریباً ۱۴/۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک بہت بڑی

مسجد نظر آئی جو کچی تھی ۔ اور اُس کے شمال مغربی کونے میں ۲ قبور کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔
ایک قبر انور حضرت مولانا عبدالرحمان جامیؒ کی تھی۔ عشق رسول ﷺ ان کا حوالہ رہا۔

نسیماں جانب بطحا گذر کن
زاحوالم محمد ﷺ را خبر کن

اور دوسری قبر مبارک اُن کے استاذ کی تھی۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں قبروں کے سر مبارک کی طرف بڑے بڑے درخت تھے۔ بڑے گھنے پتوں والے۔ یہاں سے روانگی کے بعد تقریباً ۲۵۔۳۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر افغانستان کی حدود ختم ہوگئی۔

آرام قلعہ میں داخل ہوئے جو ایرانی حدود میں تھا۔ رات شہر میں قیام کیا اور حضرت امام موسیٰ علی رضا کاظمؒ کے روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ یوں یہ مبارک سفر رواں دواں تھا ایک رات دشدت میں بسر کی اور ایک رات بابل شہر میں قیام کیا۔ آخری ایرانی سرحدی شہر ہمدان تھا۔ یہاں بھی ایک رات قیام کیا گیا۔ یہاں سردی کی شدت تھی۔ برفباری نے اس شدت کو اور بڑھا دیا تھا۔

بغداد شریف

ہمارا اگلا پڑاؤ عراق کا شہر بغداد تھا۔ سبحان اللہ غوث الاعظمؒ کی نورانی نگری تھی ۔ ہمارا قیام کوچۂ اعظم میں تھا جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نام نامی سے موسوم تھا۔ مسجد مبارک بھی ساتھ تھی اور مسجد مبارک کے ایک کونہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی قبر انور مرجع خلائق تھی۔

اخراجات کے لیے بینک سے کرنسی نوٹ تبدیل کرائے۔ بعد ازاں حضرت غوث الاعظم کے روضۂ مبارک کی حاضری کی نورانی سعادتیں حاصل ہوئیں۔ چاندی کی نورانی جالیوں میں آپ کی قبر انور کی زیارت نے ایک ایسے کیف سے رنگا کہ بیان کا یارا نہیں۔ سبحان اللہ کیا مقام ربِ کائنات نے عطا فرمایا ہے غوث اعظم کو۔

ساتھ ہی قبرستان میں حضرت امام غزالیؒ کی قبرِ انور تھی اور اس کے علاوہ کئی بزرگوں کی

زیارات پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ عصر کی نماز حضرت خواجہ معروف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مزار مبارک کے قرب میں ادا کی۔ سبحان اللہ۔ الحمد اللہ بغداد شریف میں تمام زیارتیں نصیب ہوئی ہیں۔ اگر تفصیل کے ساتھ تحریر کروں تو ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔

حضرت یوشع علیہ السلام

بغداد شریف میں جب مرشدِ کریم کے ہمراہ حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت کی۔ تو مرشد کریم کو حالتِ وجد میں چلے گئے۔ بعد میں فرمایا کہ بہت بڑے عظیم المرتبت پیغمبر ہیں۔ رات گئے تک بغداد شریف کی نورانی مقامات کی زیارتیں کرتے رہے دوسرے دن کربلا معلیٰ پہنچے۔

کربلا معلیٰ

اُس شہر کی حاضری کا شرف حاصل ہوا یہاں محبوبِ کریم ﷺ کے گلستان کے پھول حضرت حسین علیہ السلام کی آرام گاہ موجود ہے۔ رحمت اللعالمین کو ان سے اتنا پیار تھا جس کی مثال کائنات میں نہیں مل سکتی۔ رحمت اللعالمین جب سجدے کی حالت میں ہوتے تو یہ دونوں نورانی شہزادے رحمتِ دوعالم سیدالکونین کی نورانی پیٹھ مبارک پر سوار ہو جاتے۔ ایک بار جب یہی معاملہ ہوا تو فوراً رب کریم نے حضرت جبرائیلؑ کو محبوبِ کریم کی بارگاہ میں بھیجا۔ حضرت جبرائیلؑ نے یوں عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ اللہ رب العزت آپ پر سلام بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تک حسنین کریمین آپ کی نورانی پشت مبارک پر سوار ہیں؛ آپ سجدے کو طویل فرمائیں میری حمد وثناء سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے رہیں۔ اُس وقت تک جب تک یہ دونوں مہتابِ اہلِ جنت آپ کی نورانی پشت مبارک پر سوار ہیں۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اے میرے محبوبِ کریم جب یہ نورانی مہتاب آپ کی نورانی پشت مبارک سے خود اتریں۔ تب جا کر اپنے نورانی سر مبارک کو سجدہ سے اُٹھائیں۔

حسنینِ کریمین کی عظمت کو لاکھوں سلام ہوں۔ خدا کی قسم رضائے الٰہی، محبوب کریم رحمت اللعالمین کی رضائے پاک اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے ایسی نورانی قربانیاں پیش

کیں کہ قیامت تک ایسی کوئی مثال نہ ملے گی۔اپنے نانا رحمت اللعالمین ﷺ کی امت کے لیے یہ بات یادگار چھوڑی ہے کہ خون کے وضو سے نماز ادا کرنی ہے۔نماز کی قضا کی گنجائش نہیں ہے۔آج ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں ہم کیا کر رہے۔اُن نورانی شہزادوں کے پیروی کر کے دکھاؤ۔حق کی خاطر ہر قسم کی قربانی جان و مال و اولاد،اور اُس نورانی شہر سے ہجرت تک ہر شے رضائے الٰہی اور حق کی خاطر نچھاور کر کے نیزہ پر قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔یا سیدنا حضرت امام حُسینؓ آپ کے قبر انور، آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور آپ کی عظمتِ پاک کو قیامت تک کروڑوں، اربوں بار سلام عقیدت پیش ہے۔

خدا کی قسم میری نظروں کے سامنے وہ کربلا کا منظر آتا ہے تو دِل خون کے آنسو روتا ہے۔دریائے دجلہ کا پانی چرند پرند ہر کوئی پی سکتا تھا مگر حسنین کریمین اور اہلِ بیت پر یہ پانی بند کر رکھا گیا۔یہ رضائے الٰہی کا کارنامہ تھا ورنہ خدا کی قسم حوضِ کوثر سے پانی آسکتا تھا۔مجھ احقر کی قلم میں اب مزید لکھنے کی جرأت نہیں ورنہ خدا گواہ قیامت تک بھی لکھتا رہوں تو اُن کے اوصافِ کریمانہ مکمل نہ ہوں گے۔

نجفِ اشرف

یہاں کی نورانی حاضری کے بعد حضرت مولا علیؑ مشکل کشا، شیرِ خدا کے روضۂ اقدس کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔سنہری جالیوں میں ملبوس مولائے کائنات کے روضۂ پاک کی زیارت کر کے سکونِ قلب نصیب ہوا۔یہاں کی فضائیں ہوائیں نرالی ہیں۔جی تو چاہتا تھا کہ آج کی رات مولائے کائنات حضرت مولا علیؑ کی بارگاہ میں بسر کر کے انوار و تجلیاتِ الٰہی کی برکات سے فیض یاب ہوں مگر امیر قافلہ کے پروگرام کے مطابق بغداد شریف واپس جانا تھا۔بغداد شریف میں ۳ دن قیام کے بعد بصرہ کے لیے روانہ ہوئے۔بصرہ میں شب قیام کیا۔یہ مشہور اسلام تاریخی شہر ہے۔یہاں کی کھجوریں بہت مشہور ہیں۔کھجوروں کے بڑے گنجان باغات ہیں۔

بصرہ سے روانگی

شہر بصرہ سے روانہ ہوئے تو چند کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک جگہ جوزبیریہ کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں دو اصحابِ رسول اللہ ﷺ حضرت زبیرؓ اور حضرت ابوطلحہؓ کی قبور موجود تھیں۔ا شیشوں کے دروازوں سے گزرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔اپنے مرشدِ کریم کے ہم راہ ان دنوں مزارات مبارک کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔زہے نصیب یہاں سے روانہ ہو کر شام کو کویت پہنچ گئے۔کویت جو سمندر کے کنارے پر واقع ہے۔کل رقبہ دس مربعہ میل تک پھیلا ہوا ہے مگر قدرتی طور پر تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔سعودی عرب کے بعد سب سے زیادہ تیل یہاں پر موجود ہے۔سال ۱۹۷۲ء میں ۲۱ ہزار پاکستانی یہاں پر ملازمت کرتے تھے۔کویت شہر سے ۹ کلومیٹر دور حجاج کے لیے کیمپ بنایا گیا۔یہاں پر موجود پاکستانیوں نے نا صرف بھرپور انداز سے اپنے بھائیوں کا استقبال کیا؛ بل کہ تین دن کے قیام میں مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا۔اپنی گاڑیوں میں کویت کی سیر بھی کرائی۔

ملک سید رسول صاحب حج واپسی کے موقعہ پر ہمارے کیمپ میں تشریف لائے اور دعوتِ طعام دی۔جس میں قبلہ مرشد کریم کے ساتھ سات آٹھ احباب نے شرکت کی۔اس دعوتِ طعام میں یہ سیاہ کار بھی شامل تھا۔خوب پُر تکلف دعوت تھی۔

سید رسول صاحب میرے والدِ محترم کے دیرینہ دوست نکلے۔کویت سے روانگی پر زرقانی چوکی سے سعودی عرب میں داخلہ ہوا۔یہاں پر تمام حاجی صاحبان کے سامان کی مکمل چیکنگ کی گئی اور تب داخلہ کی اجازت ملی۔سعودی عرب کی حدود میں داخل ہو کر رات کو سعودیہ کے دارالخلافہ ریاض میں قیام کیا۔

جاری ہے-----

☆☆☆☆☆

علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ

عہدِ ماضی کے علم وحکمت کی عظمت کا نشاں!

سجاد ضیغم

علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ (۱۷۹۲ء۔۱۸۲۴ء) دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر واقع بستی پرہاڑ تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ کے سکونتی تھے۔ وہ جامع الحیثیات عبقری عالم، جید فقیہ، ممتاز مجتہد، عربی وفارسی کے بلند پایہ شاعر، سحر طراز نثر نگار، معجز نگار مصنف، حاذق حکیم ،فلسفہ ومنطق کے ماہراور دیگر ظاہری وباطنی علوم کا بحرِ ذخار تھے۔

آپ کے آبا ؤاجداد کا تعلق افغانستان سے تھا۔ قرائن وشواہد کے مطابق آپ کی پیدائش بستی پرہاڑ میں ہوئی لیکن کچھ محققین نے آپ کی جائے پیدائش احمد پور شرقیہ کو بتایا ہے۔

آپ نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد سے پڑھے۔ پھر ملتان کے معروف روحانی بزرگ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور یہاں سے مختلف علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت حاصل کرنے کے علاوہ سلوک وطریقت کی منازل طے کر کے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا؛ پھر بستی پرہاڑ کو مستقل مسکن بنایا اور وہاں درس وتدریس کے ظاہری وباطنی تربیت کا سلسلہ جاری کیا۔

جب آپ مسندِ ارشاد پر فائز ہوئے تو برصغیر میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اورنگزیب عالمگیر کے نااہل جانشینوں کی کمزوریوں اور غیروں کی سازشوں کی بنا پر ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا سورج نہ صرف عملاً غروب ہو چکا تھا بلکہ ان کی سطوت بھی جنازہ بردوش تھی۔ سب سے بڑے صوبے پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خوں آشامی کا دوردورہ تھا۔ زندگی زیروزبر تھی۔ انسانیت منہ چھپائے پھر رہی تھی۔ سماجی اتھل پتھل اقتصادی تنزلی، سیاسی انحطاط

☆ ریڈیو پاکستان۔ملتان

اور علمی جمود کے اس دور میں جب عقیدے وایمان کا چراغ ٹمٹانے لگا تھا۔اس مرد جلیل نے وسائل سے محروم دور افتادہ علاقے کوٹ ادو میں رشد وہدایت اور علوم ومعرفت کی شمعیں فروزاں کیں۔

آپ کی ذات فقر واستغنا، علم وعمل اور زہد وتقویٰ کا پیکر تھی۔آپ غربا ومساکین اور تشنگانِ علم ومعرفت سے محبت کرتے تھے؛ لیکن مغرورانِ تخت وتاج اور بندگانِ مال وجاہ کے مقابلے میں ہمیشہ بے نیازی سے پیش آتے تھے۔آپ صرف اصلاح عقائد واعمال کی غرض سے شرفائے ملت سے تعلق رکھتے تھے۔فخرِ ملتان نواب مظفر خاں شہید کا بیٹا نواب شاہنواز سدوزئی (جوخود عالم تھا) آپ کا شاگرد اور ارادت مند تھا لیکن آپ نے اس سے یا دیگر روسا سے کبھی کوئی ذاتی فائدہ حاصل نہ کیا۔

آپ اپنے مرشد کی طرح بے حد بہادر تھے۔کئی مورخین نے آپ کی بہادری کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب رنجیت سنگھ نے ملتان اور اس کے گردونواح کے علاقوں پر قتل وغارت گری اور تشدد وبربریت سے قبضہ کیا تو اکثر امرأ ورؤسا کئی مدعیانِ علم وشخصیت اور زہد فروشانِ سجادۂ طریقت اس کے دربار میں پیش ہوئے، کورنش بجالائی۔اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور اس کے اقتدار کی اقبال مندی اور دوام کے لیے اپنی دلی تمناؤں کا اظہار کیا۔لیکن علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ نہ اس کے دربار میں گئے اور نہ اسے تحفے تحائف دے کر اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔اس کے صوبے دار دیوان ساون مل نے آپ کو اپنے دربار میں بلایا۔آپ نے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے دربار میں جانے سے انکار کردیا۔کیوں کہ آپ تو ان لوگوں میں شامل تھے۔بقول علامہ اقبال۔

تھی جن کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی

آپ نے اپنی عمر مستعار کے ۳۰ یا ۳۲ سالوں میں درس وتدریس اور تزکیہ وتصفیۂ قلوب کے علاوہ انتہائی وقیع علمی موضوعات پر بیسیوں شاہکار کتابیں تصنیف کیں۔منشی عبدالرحمٰن

خان نے آپ کی کتابوں کی تعداد تین سو اور عمر کمال خاں ایڈووکیٹ نے دوسو لکھی ہے۔

آپ کی تصانیف علوم و معارف کا گراں بہا سرمایہ، حکمت و دانائی کا خزانہ اور معارفِ ایمان و حقائق تاریخ کا انمول گنجینہ ہیں۔ آپ کے موئے قلم سے قرطاس پر منتقل ہونے والے اہل و جواہر اور گوہرِ آبدار علم و ادب، حکمت و فلسفہ اور ایمانیات کے دامن کو زرنگار بنائے ہوئے ہیں۔

آپ سرتاپا علم و حکمت، گہوارۂ علم و ادب اور سرچشمۂ معرفت تھے آپ نے اپنی قیادتِ گراں مایہ کا ہر لحہ فروغِ علم و حکمت اور روحانیت کے لیے وقف کیا۔

آپ نے خود لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ۲۷۳ علوم عطا کیے ہیں۔ جن میں قرآن و اصول قرآن کے ۸۰۔ حدیث وفقہ کے نوے، علم و ادب کے بیس، حکمت وطبیعات کے چالیس، ریاضی کے تیس، الٰہیات کے دس اور حکمتِ علمیہ کے تین علوم ہیں۔

(مناظرۃ الجلی فی علون الجمیع، المرام الکلام)

آپ علم الکلام، علم الاقتصاد، علمِ طبقات الارض جغرافیہ، عمرانیات، سیاسیات، الٰہیات، فلکیات، کیمیا، انساب، تاریخ، عروض، اسماء الرجال، فلسفہ، منطق، نعت، علم و نجوم، ہیئت جعفر، حساب، علم الاعداد سمیت اس دور کے جملہ علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

آپ کی تمام تصانیف عربی اور فارسی میں ہیں۔ آپ نے یونانی فلسفے کا رَد کیا اور اس پر مستقل ایک کتاب ''التمیز فی تنقیح فلسفہ'' لکھی اور آپ نے اپنی کتاب ''البنطاسیافی علوم المختلفہ'' اور دیگر کتابوں میں اسلامی فلسفے کی برتری، فضیلت و فوقیت بیان کی۔

آپ نے حکیم بوعلی سینا کی کتاب ''القانون'' پر زبردست تنقید کی اور اس کے کئی نظریات کو غلط ثابت کیا۔

تاریخ ملتان ذیشان (مطبوعہ ۱۹۸۵ء) مصنفہ منشی عبدالرحمٰن ملتانی کے مطابق علم و نجوم اور فلکیات کے متعلق علامہ پرہاڑویؒ کا ایک رسالہ کیمرج یونیورسٹی (برطانیہ) کے نصاب میں

شامل ہے اور یونیورسٹی کی طرف سے تین رُکنی کمیٹی آج سے تقریباً چھبیس سال قبل علامہ کے مزید حالاتِ زندگی معلوم کرنے کے لیے ملتان آئی تھی۔

شرحِ عقائد پر آپ کی کتاب ''النبراس'' نہ صرف پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش بلکہ بعض دیگر مسلم ممالک میں بھی پڑھائی جاتی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے استاد علامہ سید مناظر احسن گیلانی اپنی محسن کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے ''النبراس'' کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں۔

''میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ علمِ کلام کا تصوف کے نظری حصے سے جو تعلق ہے سب سے پہلے اس کا سراغ مجھے ''نبراس'' ہی کے چراغ کی روشنی میں ملا۔ اس میں کتابی الجھنوں سے زیادہ واقعات سے دماغوں کو قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے''

(مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں)

ندوۃ العلماءٔ لکھنو کے معلم سید عبدالحیٔ لکھنوی نے اپنی عربی کتاب ''نزہتہ الخواطر'' میں علامہ پرہاڑوی ؒ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کا کچھ کلام بھی نقل کیا ہے وہ آپ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں: آپ ہمیشہ مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے تھے۔ اغنیا سے پرہیز کرتے تھے اور ان کی نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تھے''

برصغیر ہی نہیں عرب و عجم بل کہ یورپ تک کے اہلِ علم و محققین نے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مشہور انگریز مستشرق (Orientalist) اور ماہرِ تعلیم G.W.Laitner (جی۔ڈبلیو۔لائٹنر) اپنی مرتب کردہ کتاب History of the Indigenous Education in the punjab (part.1) میں علامہ صاحب کے بارے میں

رائے دیتے ہیں۔

Hakim Abdul Aziz ,of kot udho, in the Muzaffergurh Distric was a great practical and experienced Hakim. His works on medicine have a wide fame, and are considered as authorities in india his "Aksir e Azim" and another work "Zamurrad Akhzar"are the principal of these.(P.152)

''کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ کے حکیم عبدالعزیز ایک عظیم علمی اور تجربہ کار حکیم تھے۔ادویات پران کی کتابیں کافی شہرت کی حامل اور برصغیر میں سند سمجھی جاتی ہیں۔ان میں سے نمایاں/ بڑی ''اکسیرِ اعظم'' اور ''زمردِ اخضر'' ہیں (ص: ۱۵۲)

مسٹر لائٹنر آپ کی طباعی اوراختراعی صلاحیتوں کے بارے میں لکھتا ہے۔

His cures of apthalomia were deamed to be almost mierculor and he is siad to have invented a paper glossed over by a substance which made the wraiting on it visibls at night .(P.155).

آپ کے آشوبِ چشم کے علاج کے طریقے تقریباً معجزاتی سمجھے جاتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے روشن سطح والا ایسا کاغذ ایجاد کیا تھا کہ جس کے اوپر لکھی ہوئی عبارت رات کے اندھیرے میں نظر آتی تھی۔(ص۔۱۵۵)

علامہ پرہاوڑیؒ کے ایک سوانح نگار متین کاشمیری نے پاکستان کے فکری موسس،شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کا سراج بہاولپوری کے نام علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ سے متعلق ایک خط مشہور رسالے ''المعارف'' سے نقل کیا ہے۔وہ یہاں من وعن درج کیا جاتا ہے۔

مخدومی جناب میر صاحب!

السلام علیکم !ایک بزرگ علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ تھے۔ جن کا انتقال ۱۲۶۰ میں ہوا۔انھوں نے ایک رسالہ ''سرالسماء'' کے نام سے لکھا جس کی تلاش مجھے ایک مدت سے ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ علامہ موصوف کا کتب خانہ ایک بزرگ مولوی شمس الدین بہاولپوری کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔شاید مولوی شمس الدین ان کے کوئی عزیز تھے یا کیا؟ بہر حال اس عریضے کا مقصود یہ ہے کہ ازراہِ عنایت آپ مذکورہ بالا رسالے کی تلاش میں مجھے مدد دیں۔ قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ کیا علامہ عبدالعزیز مرحوم کا کتب خانہ بہاولپور میں محفوظ ہے؟ ممکن ہے مولوی شمس الدین کے خاندان میں وہ کتب محفوظ ہوں اگر مولوی شمس الدین کے خاندان میں وہ کتب محفوظ ہیں تو رسالہ بالا ممکن ہے ان کتب میں مل جائے۔ آپ مہربانی کر کے اپنے اثر و رسوخ کو اس مقصد کے لیے کام میں لائیں۔ جس کے لیے میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا اس کے علاوہ جو مقصد میرے زیرِ نظر ہے وہ قومی ہے، انفرادی نہیں ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس خط کے جواب کا انتظار رہے گا۔

مخلص محمد اقبال بیرسٹر۔ لاہور

(ماہنامہ ''المعارف'' لاہور، دسمبر ۱۹۸۳ء)

اصل میں علامہ اقبال زمان و مکان (Time and Space) کے بارے میں ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ ایسی کتاب کی تلاش میں تھے جس میں آسمانوں اور سیاروں کے بارے میں معلومات ہوں۔ تو جب انھیں علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ کے فلکیات سے متعلق رسالے ''سرا لسماء'' کی خبر ملی تو انھوں نے اس کی تلاشِ بسیار شروع کر دی۔

ہاشم شیر خاں کی کتاب ''علامہ اقبال اور ڈیرہ غازی خان'' میں علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ کے رسالے ''سرالسماء'' کی تلاش کے متعلق علامہ اقبالؒ کے مختلف اہل علم کے نام سات مکاتیب درج ہیں۔

جب علامہ اقبال نے درج ذیل اشعار کہے تو یقیناً اُن کی نظر میں علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ کی یورپ میں پڑھی جانے والی کتابیں بھی ہوں گی۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ ایک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دِل ہوتا ہے سی پارہ

علامہ پرہاڑویؒ کے بارے میں مستند روایت ہے کہ آپ دونوں ہاتھوں سے لکھا کرتے تھے۔خط اتنا عمدہ ہے کہ ان کی کتابوں کے قلمی نسخے دیکھنے سے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے ہاتھ سے نہیں مشین سے اعلیٰ قسم کی کتابت کرائی گئی ہے۔

آپ کا علم وہبی اور لدنی تھا۔وگرنہ تیس،بتیس سال کی مختصر عمر میں اتنی مایہ ناز تصانیف کون تحریر کرسکتا ہے؟ آپ کا اپنا قول ہے کہ میرا کسبی علم تو کل علم کے دسویں حصے کا بھی نصف ہے بلکہ دسویں حصے کا بھی دسواں حصہ ہے یا اس سے بھی کم ہے۔

جب آپ کے علمی کارناموں کا چرچا پورے برصغیر میں ہوا تو علم وحکمت کے نام نہاد دعویدار حسد سے جلنے لگے اور ان میں سے کچھ بدطینت لوگوں نے آپ کے خلاف سوقیانہ لب ولہجہ اختیار کیا۔آپ نے ان کے جواب میں یہ اشعار کہے۔

احمقانے چند بے عقل و خرد
عیب میگرند بر من از حسد
ایں نمی داند ایں قومِ حسود
کایں حسد بر فضلِ ربانی چہ سود

علم ایشاں نظری و کسبی بود
علم ما اشراقی و حُسی بود
نسبتے با من نداند ایں چناں
بر زمیند و منم بر آسماں

(کامل ایمان)

مبدأ و فیاض نے علامہ پرہاڑویؒ کو دل ودماغ کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ آپ کے کمالات ومحاسن اور محامد کا تذکرہ غیر مختتم ہے۔

سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

انھوں نے اُس وقت ملک وملت کی خدمت بجالائی جب ہمارا معاشرہ ،ہماری تہذیب اور ہمارا تمدن صرصر کے خوفناک تھپیڑوں کی زد میں تھا۔لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اتنے بڑے تبحر عبقری (Super-genius) عالم کے علمی کارنامے تقریباً دوصدیاں گزرنے کے باوجود بھی گوشۂ خمول میں ہیں؟

کیا علم اس دور میں اتنا درماندہ ہوگیا ہے کہ ایسے بزرگوں کے واقعات گلدستۂ طاق نسیاں کی زینت بن جائیں یا گئی گزری اور بھولی بسری کہانیاں بن جائیں؟اس سے بڑی عدم توجہی ،غفلت اور نظر اندازی کیا ہوگی کہ ان کی عظیم المرتبت شخصیت پر کوئی جامع ومبسوط معیاری، علمی اور تحقیقی کتاب مارکیٹ میں نہیں جوان کی حیات اور تخلیقی وتحقیقی کارناموں کا مکمل احاطہ کرے کہ انھوں نے یہ اقلیمیں کیسے سر کیں؟

حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایسے صاحبِ کمال کی سوانح عمری اور علمی تحقیقات کے تذکرے ایک نہیں کئی زاویوں سے لکھے جاتے اور کئی بار چھپتے مگر۔

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

ان کی خدمات اربابِ اقتدار اور علم ودانش کے اجارہ داروں کے نزدیک اس لیے

لائق اعتنا نہیں کہ وہ ایک پسماندہ علاقے سے تعلق رکھتے ہیں یا کچھ اور وجوہات ہیں؟

راقم الحروف سائنس وادب کا ریسرچر ہونے کی بنا پر پوری علمی دیانت داری اور ٹھوس دلائل کی بنا پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اگر اُن کی شخصیت پر کوئی وقیع علمی و تحقیقی کام حکومتی سرپرستی میں یا کسی بڑے ادارے کی سرپرستی میں کیا گیا ہوتا تو یقیناً ان کا نام عظیم مسلم علما، فقہا، فلاسفہ، مناطقہ، اطبا، ادبا اور نیچرل وسوشل سائنسز کے ماہرین کی صف میں ہوتا لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ارباب بست وکشاد کی بے اعتنائی کی وجہ سے آج عام لوگ ان کے نام سے ہی نابلد ہیں۔

بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاولپور اور پنجاب یونی ورسٹی لاہور، میں علامہ پرہاڑویؒ پر ایم فل اور پی ایچ ڈی لیول پر کچھ کام ہوا ہے۔ لیکن یہ کام زیادہ تر علامہ صاحب کی مصطلحاتِ حدیث اور اصولِ حدیث سے متعلق کتاب ''کوثر النبیؐ '' پر ہوا ہے۔

گزشتہ دنوں کراچی یونی ورسٹی کے شعبہ تالیف وتصنیف کے ڈائریکٹر ڈاکٹر خالد جامعی سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بھی بتایا کہ کراچی یونی ورسٹی میں میں پرہاڑوی صاحبؒ پر کام ہوا ہے۔ لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کام کا دائرہ وسیع کیا جائے تا کہ نژادِ نو، اقلیمِ علم وحکمت کے اس مہر درخشاں سے روشناس ہو اور دوسرا مغرب کے صنم کدۂ افکار سے مسحور مستعار خیالات پر جینے والوں کو اپنے ماضی مرحوم کا پتہ چلے کہ ہمارا ماضی کتنا شاندار رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈیؒ

علامہ محمد اسلم

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی درسگاہ میں درس وتدریس فرمانے والوں میں سے ایک نامور شخصیت حضرت علامہ پیر طریقت ماہرِ اسرارِ حقیقت مولانا محمد دین مکھڈیؒ کی بھی نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۰۱ء میں حضرت خواجہ غلام محی الدین احمد مکھڈیؒ کے ہاں مکھڈ شریف میں ہوئی۔ آپ کا اسم گرامی محمد دین خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے رکھا۔ حضرت مولانا محمد دین مکھڈیؒ نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی کہ اُس وقت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کی درسگاہ عروج پر تھی جس کی بدولت حضرت مولانا محمد دینؒ مکھڈی کو بھی علمی و روحانی حوالے سے خوب فائدہ اُٹھانے کا موقع فراہم ہوا۔

تعلیم کا آغاز

آپ نے ابتدائی تعلیم آستانہ عالیہ شریف میں ہی حاصل کی۔ خصوصاً اُستاذ الاساتذہ علامہ قطب الدین غورغشتی سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل رہا؛ بل کہ آپ کی تعلیم ہی کے لیے علامہ قطب الدین غورغشتی کو طلب کیا گیا تھا اور ساتھ ساتھ آپ نے اپنے والدِ گرامی خواجہ غلام محی الدین احمد مکھڈی سے تعلیم وتربیت کا ایک وافر حصہ حاصل کیا۔

آپ قول وفعل میں اپنے والدِ گرامی کا عکس جمیل تھے اور بیعت وارادت بھی اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ عمر بھر والد صاحب کی طرح تونسہ مقدسہ کے سفر میں کوتاہی نہ فرمائی؛ بل کہ

☆ صدرِ مدرس، درس گاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ۔ مکھڈ شریف۔ تحصیل جنڈ (اٹک)

زندگی کا اکثر حصہ تونسہ مقدسہ کی حاضریوں میں گزارا۔ آپ نے دو مرتبہ حرمین شریف کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ایک مرتبہ خواجہ نظام خان تونسویؒ [م ۱۹۶۵ء] کی معیت میں اور دوسری بار ۱۹۷۴ء میں ماہ رمضان شریف کے بعد ایام حج مدینہ منورہ میں گزارنے کا شرف حاصل ہوا اور اس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کے لختِ جگر پیر محمد صالح گل صاحب اور حاجی غلام مرتضٰی (خادم سابقہ دربا عالیہ) اور حاجی غلام صمدانی تھے۔ آپ نے اس سفر میں مدینہ شریف کی پہلی رات عاشق رسول حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی کے در دولت پر گزاری تھی اور کچھ وقت مُحبُّ الفقراء حضرت پیر زکریا بخاریؒ کے پاس بھی قیام فرمایا تھا۔

جب ایامِ حج شروع ہوئے تو آپ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے؛ جس کا تذکرہ پیر صالح گل صاحب نے ''تذکرۃ الولی'' کے دیباچہ میں ان الفاظ میں کیا ہے۔ والدِ محترم ایک مرتبہ رمضان شریف میں دِن کو آرام فرمانے کے بعد بیدار ہوئے تو زبان مبارک پر یہ رباعی جاری تھی۔

جد بہ فضلک یا الٰہی قد ببا بک یا رسول
یا غیا ث المستغیثین، یا معینی یا رسول
لیس لی شیئ" من الزاد و محواز السبیل
ان دعوت العبد کرما و زال ممناع السبیل

مجھ پر جود و کرم فرمایا یا الٰہی اپنے دروازے پر کھینچ یا رسول۔ اے فریاد کرنے والوں کے فریادرس اے میرے مددگار یا رسول۔ میرے پاس کچھ زادِ راہ نہیں۔ اگر تو اپنے غلام کو کرم سے بلا لے تو سب رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔

درِ حبیب ﷺ سے بُلاوہ آ گیا اور حاضری نصیب ہوئی۔ حسبِ خواہش رمضان المبارک مدینہ طیبہ زیرِ سایہ عرشِ علیٰ گزارا اور تا ایامِ حج مدینہ اطہر ہی میں ٹھہرے رہے۔ پھر مکہ مکرمہ میں

حاضر ہوئے۔حج ادا کر کے واپس وطن تشریف لائے۔اس ناچیز کو بھی شرفِ ہم رکابی بخشا۔غلام مرتضیٰ کو بھی اعزاز بخشا۔شعبان المعظم کی چار تاریخ کو گھر سے روانہ ہوئے۔ پہلے تونسہ مقدسہ حاضری دی۔ پھر مہاراں شریف زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور آپ کا یہ معمول تھا کہ حجاز مقدس حاضری سے قبل تونسہ مقدسہ اور مہاراں شریف حاضری دیتے اور واپسی پر بھی اسی طرح پھر کراچی حاجی غلام صمدانی صاحب مرحوم کے ہاں پہنچے۔تقریباً ہفتہ عشرہ کراچی آ گیا۔

کراچی سے حاجی غلام احمد صمدانی صاحب بھی ہمراہ ہوئے۔۱۹ شعبان المعظم کو مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا۔ چند دن گزارنے کے بعد شعبان المعظم کی ۲۶ تاریخ کو مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔ پھر سارا رمضان المبارک سرکارِ دو عالم ﷺ کے درِ اقدس پر گزارا۔رمضان المبارک کے بعد خواجہ حاجی غلام مرتضیٰ صاحب بمعہ حضرت پھوپھی صاحبہ کے واپسی پر آمادہ ہوئے۔(وہ ہم سے چند روز قبل عمرہ کے لیے تشریف لائے تھے اور رمضان المبارک انھوں نے بھی مدینہ طیبہ ہی میں گزارا تھا۔)

حاجی غلام صمدانی صاحب بھی بوجہِ علالتِ طبع واپس ہونے کے لیے تیار ہوئے۔حضرت قبلہ والدؒ نے فرمایا کہ اُن کی تیاری سے میرے دل پر ملال آیا اور ان خیالات نے ہجوم کیا کہ عمرہ ہو گیا زیارت ہو گئی۔ان کے ہمراہ ہم بھی واپس ہو جائیں۔انھی خیالات کے ساتھ صبح حرم شریف میں نمازِ صبح کے لیے حاضر ہوا۔جتنی دیر حرم شریف میں بیٹھا رہا یہی خیالات گردش کرتے رہے۔جب صلوٰۃ وسلام کے لیے بارگاہِ اقدس میں مواجہ شریف کے سامنے حاضری دی تو خیالات بالکل دل سے دُور ہو گئے۔ یہ القا ہوا کہ کوئی رہے یا جائے؛ تُو اطمینان سے یہیں رہ۔گویا کہ رہنے کی اجازت دی گئی بل کہ حکم صادر ہوا۔پھر اس مہمان کی کتنی خوش نصیبی ہے۔کتنی شان ہے جسے بادشاہِ دو جہان مزید ٹھہرنے کا حکم فرما رہے ہیں۔

چناں چہ اُنھی کے صدقے ہمیں بھی ساتھ رہنا نصیب ہوا۔شوال المکرّم کا مہینہ گزرا۔ذی القعدہ طلوع ہوا۔۱۵، ذی القعدہ کو حجِ بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت

دی گئی؛ حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

آپ کی طبیعت میں بہت نرمی پائی جاتی تھی۔ متصوفانہ مزاج رکھتے تھے۔ تب ہی خواجہ محمود تونسویؒ [م ۱۹۲۹ء] نے فرمایا تھا۔ ''محمد دین طبعِ سلیم دارد خدا بروے راضی باشد'' حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب ملھووالی بیان فرماتے ہیں کہ مولانا محمد دین صاحب کی طبیعت اس قدر نرم تھی کہ ہر وقت آپ کی زبان مبارک پر ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ چشمانِ مبارک بھی تر ہو جاتیں۔ حسن و جمال کا پیکر تھے۔ چہرہ مبارک نورانیت اور لبوں کی مُسکراہٹ ہر دیکھنے والے کو اپنا گرویدہ بنا لیتی تھی۔

آپ کے معمولاتِ زندگی کے متعلق مولوی صاحب مذکور نے فرمایا کہ صبح نماز سے قبل آپ گھر سے باہر تشریف لاتے اور بارہ دری میں (جو چبوترہ شکل کی بنی ہوئی تھی) آپ بیٹھ کر کافی دیر تک ذکر اللہ میں مشغول رہتے۔ ذکر کا انداز اتنا حسین تھا کہ جب کلمہ طیبہ کی ضرب لگاتے تو اِلاَّ اللہ کے تلفظ کی ادائیگی کے وقت آواز کانوں میں رَس گھولتی۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس صدائے دِل نشین کا مدتوں میں خود سامع رہا۔ نمازِ فجر کے لیے آپ مسجد میں تشریف لے جاتے۔ جماعت کی امامت بھی خود فرماتے۔ فراغتِ نماز کے بعد مسجد ہی میں وظائف پڑھتے رہتے اور اِشراق کے نوافل مسجد ہی میں ادا فرماتے۔ پھر کچھ آرام فرمانے کے بعد آپ موجودہ طلباء کو اسباق بھی پڑھاتے۔

مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اور حضرت مولانا فضل الدینؒ [م ۲۰۰۸ء] نے بھی حضرت سے استفادہ کیا تھا۔ خاص کر اقلیدس اور مثنوی شریف کے اسباق آپ ہی سے پڑھے تھے اور دیگر طلبا کو بھی مختلف اسباق آپ ہی پڑھاتے۔ فارسی پڑھانے میں آپ کو بہت ملکہ حاصل تھا۔ یوسف زُلیخا کے اسباق میں اشعار ترنم سے پڑھتے جس سے سامع پر خاص کیف طاری ہوتا۔ کُتبِ تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ آپ کے ذاتی کتب خانہ میں تصوّف کے موضوع پر زیادہ کُتب اور مخطوطات موجود ہیں؛ جو آپ کے ذوقِ مُطالعہ کا پتا دیتی ہیں۔ آپ کو

کتابت کا بھی ذوق تھا۔ تونسہ مقدسہ کے قیام کے دوران کتب خانہ محمودیہ کے خطی نسخوں سے اپنے ذوق کے مطابق مخطوطات نقل فرماتے۔ آپ کے کتب خانہ میں کئی مخطوطات آپ کی اپنی کتابت کے محفوظ ہیں۔

ریاضی خلاصۃ الحساب، علوم ہندسہ اور علمِ مواقیت پر بھی مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ کُتب خانہ میں آپ کا ذاتی گُرہ جو اُن علوم کے لیے بطور آلہ استعمال ہوتا ہے اب بھی موجود ہے۔ بہت قدیم و خوبصورت اور صحیح اوقات کے مطابق ساختہ شدہ ہے۔ علم حدیث سے بہت شغف رکھتے۔ دورانِ سفر کُتب مشائخ چشتیہ کے ساتھ ساتھ حدیثِ پاک کی کوئی کتاب ضرور موجود ہوتی۔ جمعہ مبارک کا وعظ بھی آپ کُتبِ حدیث خاص کر مشکوٰۃ سے ہی فرماتے۔

قرآن شریف کے اجل حافظ تھے۔ عمر بھر باقاعدگی کے ساتھ رمضان شریف میں قرآن شریف سناتے رہے۔ مولوی غلام محی الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۹۲۹ء میں مکھڈ شریف حاضر ہوا۔ اُن دنوں حضرت مولانا محمد دین مکھڈیؒ ماہ رمضان میں نماز تراویح میں ہر روز سوا پارہ تلاوت فرماتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک آپ کا یہی معمول رہا۔ بعد میں آپ کے لختِ جگر حضرت مولانا محمد صالح گلؒ [م ۲۰۰۷ء] حافظ قرآن ہوئے تو نماز تراویح میں جو سوا پارہ مولانا محمد دینؒ تلاوت فرماتے وہی سوا پارہ صالح گل صاحب بھی تلاوت فرماتے تھے۔ مولانا صالح گلؒ سے پہلے یہ سوا پارہ حضرت مولانا محمد دین صاحب کے ساتھ مولانا فضل دین سناتے تھے۔ بعد میں مولانا محمد دینؒ نے دربار شریف کے سامنے سُنانا شُروع کر دیا تھا۔ جب کہ مسجد میں مولانا صالح گل صاحب ہی سنایا کرتے تھے۔ اور مولانا محمد دین صاحب کا رمضان شریف میں یہ معمول تھا کہ آپ رمضان شریف کی راتوں میں کم ہی آرام فرماتے۔ یہی طریقہ اب تک آپ کی اولاد میں بھی چلا آتا ہے۔

حضرت غلام محی الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ مولانا محمد دینؒ صرف عالم و صوفی ہی نہ تھے بلکہ آپ کی زبان مبارک میں اللہ تعالیٰ نے بہت تاثیر رکھی تھی۔ آپ کے پاس جو بھی

تکلیف یا کسی بیماری میں مبتلا آدمی آتا؛ آپ کی دُعا سے اسے تکلیف سے چھٹکارا ملتا اور مرض سے شفایاب ہوتا۔ مجھے ایک دفعہ ناف کا سخت درد ہوا اس کے دفعیہ کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک تعویذ لکھ کر دیا اور دَم بھی فرمایا۔ اللہ کے فضل وکرم سے وہ تکلف مجھ سے فوراً رفع ہوگئی۔ وہ تعویذ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اب بھی موجود ہے۔ اگر کسی کو درد ناف لاحق ہو اس کے لیے تریاق مجرب ہے۔ اس تعویذ کی مولانا محمد دین صاحب نے مولوی غلام محی الدین صاحب کو اجازت عنایت فرمائی تھی۔

مولوی غلام محی الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا محمد دین صاحب تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس مکھڈ کا ایک پراچہ حاضر خدمت ہوکر کہنے لگا کہ کالا باغ ڈیم بننے والا ہے۔ مولانا محمد دین صاحب اس کی یہ بات سن کر فوراً جلال میں آگئے اور فرمانے لگے کہ کالا باغ ڈیم قطعاً نہیں بن سکتا؛ کیوں کہ ہمارے مولانا محمد علی مکھڈیؒ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ ہمارے اس مرکزِ علم وعرفان نے یہاں قیامت تک قائم رہنا ہے۔ لہٰذا کالا باغ ڈیم کی تعمیر ناممکن ہے۔ زمانہ ماضی میں بہت سے حکمران اس کوشش میں رہے۔ ایک مرتبہ ڈیم کے کام کا آغاز بھی ہوا۔ لیکن گفت وشنید سے آگے نہ بڑھ سکا۔

گفتہ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

باباشیر زمان بلوٹی مکھڈیؒ (جو کہ آپ کا مرید ہے) نے ایک بڑا دلچسپ واقعہ سنایا۔ کہتا ہے کہ مجھے حاجی کرم الٰہی زرگر مکھڈیؒ (یہ بھی مولانا صاحب کے مرید تھے) نے بارہا مولانا صاحب کا مرید ہوجانے کا کہا لیکن میں نے جواب میں کہا کہ میں اُس آدمی کا مرید ہوں گا جو مجھے خواب میں آکر بیعت کرے۔ باباجی بیان کرتے ہیں کہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک رات

میں اور حاجی کرم الٰہی مکان کی چھت پر ہوتے تھے۔ رات سوئے ہوئے تھے تو خواب میں مولانا محمد دینؒ بمع حضرت خواجہ غلام نظام خانؒ تونسوی تشریف لے آئے اور خواب میں فرمانے لگے کہ شیر زمان خود تمھارے اندر ہے کچھ نہیں اور کہتے ہو کہ ایسے پیر کا مرید ہونا ہے جو خواب میں آ کر بیعت کرے۔ جب صبح بیدار ہوا تو سیدھا زیارت شریف کی طرف روانہ ہوا۔ ان دنوں اتفاقاً خواجہ غلام نظام خان تونسویؒ بھی مولانا محمد دینؒ کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔

جب حاجی کرم الٰہی اور میں حاضر خدمت ہوئے تو مولانا محمد دینؒ ہمیں دیکھ کر مسکرانے لگ گئے۔ بالآخر میں نے بیعت کے لیے عرض کی تو آپ نے مہربانی فرماتے ہوئے بیعت فرمایا۔

تصانیف

حضرت مولانا محمد دینؒ نے عقائدِ اہل سنت کی توضیح وتشریح اور ترجمانی فرماتے ہوئے چند کتب بھی تصنیف فرمائیں۔ تاکہ عوام اہل سنت روافض وخوارج کے فتنوں سے محفوظ رہے۔ آپ نے ایک رسالہ ''صراطِ مستقیم'' کے نام سے مرتب فرمایا؛ جس میں آپ نے عقیدۂ اہلِ سنت کی قرآن وحدیث کی روشنی میں ترجمانی فرمائی۔ علاوہ ازیں آپ نے حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے احوال وملفوظات پر مشتمل ایک تصنیفِ لطیف ''تذکرۃ الولی'' کے نام سے لکھی؛ جس کا دوسرا ایڈیشن ''مہرتاباں'' کے نام سے شائع ہوا۔ ایک تذکرہ حضرت مولانا زین الدینؒ معروف بہ زینت الاولیا کے احوال وآثار پر تحریر فرمایا جو ''تذکرۃ الصدیقین'' کے نام سے موسوم ہے۔

اولاد اطہار

مولانا محمد دینؒ کی اولادِ نرینہ میں سے حضرت مولانا محی الدین محمد صالح گل نظامیؒ [م ۲۰۰۷ء] ہی تولّد ہوئے۔ آپ کا وصال ۱۵۔ ذی القعد ۱۹۷۵ء کو ہوا۔ قبرِ انور روضہ شریف کے احاطہ میں مولانا محکم الدینؒ کے قدمین کی طرف واقع ہے۔ آپ کی تاریخِ وصال استاد عبدالغفور لنگڑیالویؒ [م۔ ۱۹۹۴ء] نے لکھی؛ جو آپ کی قبرانور کے دائیں جانب دیوار پر نقش ہیں۔

شیخِ ما چوں رفت زیں دار فنا

در حضور حضرتِ بار الہہ

بود وقتِ رحلتش در شب خمیس

پانزدہ تاریخ از ذیقعد ماہ

روحِ پاکش گشت ساجد زیرِ عرش

لب بہ جنبانید در حمد و ثنا

حق بہ اُو راضی شدہ بخشش کناں

زیں سبب تاریخِ اُو گشتہ فغفر لہ

۱۳۹۵ھ

دریغا خواجہؒ ما محمد دین

کرد رحلت جانبِ دار الجناں رفت

اہلِ علم کرد غمش ماتم کناں

لیک ازیں دارِ فنا اُو در شادماں رفت

روحِ پاکش چوں صدائے اِرجعی بہ شنید

بر لب آمد زِ سوئے آسماں رفت

اشک حسرتِ میرود ہر دم زِ چشمِ عندلیب

چوں خزاں آمد ، بہارِ گلستاں رفت

ہیچ لحظہ غافل از طاعت نہ گشت

لا مجرم کامل مکمل از جہاں رفت

مادۂ تاریخ وصلش را طلب کردم ز حق
گفت ہاتف بادشاہ عارفاں رفت
۱۳۹۵ء

ماخذ و مراجع

۱۔ دیباچہ "مہرِ تاباں" ، از مولانا محی الدین محمد صالح گل چشتی نظامیؒ، ۱۹۹۶ء، اسلام آباد
۲۔ اکتسابِ تدبر، ایڈیٹر: غضنفر علی قریشی، جون ۲۰۰۷ء، مطبوعہ پنڈی گھیب

☆☆☆☆☆

پروفیسر محمد انور بابر☆

اصل مقام چاہ زم زم:

چاہ زم زم کا اصل مقام (کنواں) مطاف یہی ہے اور طواف کے دوران مطافی زم زم کے کنوئیں پر سے گزرتے ہیں۔ زم زم پر ڈھکن ہے جس پر چاہِ زم زم لکھا ہوا ہے۔ اور یہ زمین کی سطح سے پیوست ہے یہاں سے پائپوں کے ذریعے پانی صفا کی طرف مطاف کے کناروں پر برآمدہ نما جگہیں بنادی ہیں۔ جس میں مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ شیڈ ہیں۔

مردوں کے شیڈ میں پانی کھینچنے کی مشین ہے جو کنوئیں کے شیڈ کے شیشہ کے گلوب میں لگائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ باب السلام، باب حدالحدیبیہ، باب الشبیکہ، اور باب عمرہ کے تہہ خانوں میں ٹونٹیاں لگائی گئی ہیں۔

حج کے موقع پر حرم شریف میں ہر طرف سرخ رنگ کے واٹر کولر اور سٹیل کی ٹوٹیاں لگائی جاتی ہیں۔ برف لگا ٹھنڈا زم زم ہمہ وقت با آسانی دستیاب ہوتا ہے۔ حرم شریف کو احاطہ مسجد الحرام کے علاوہ مکہ شریف کی گلی، کوچوں میں بھی بالخصوص چوراہوں پر بھی سٹیل کی بڑی بڑی ٹینکیوں سے زم زم کی فراہمی عام اور آسان ہوتی ہے۔ سعودی حکومت کا یہ اقدام قابلِ تحسین ہے۔

زم زم کے فضائل ومناقب

حضرت سیدنا جبرائیلؑ کے پر حضرت اسماعیلؑ کے پائے مبارکہ اور کعبہ معظمہ کی بنا پر نسبت کی بدولت زَم زَم کا مقام اور رُتبہ صرف دنیا کے پانیوں سے افضل و اعلیٰ نہیں بل کہ اس کا مرتبہ کوثر و تسنیم سے بھی فزوں تر ہے؛ کیوں کہ حضورِ اکرم ﷺ کا سینۂ اطہر چیر کر آب زم زم سے دھویا گیا۔

☆ پروفیسر، (ر)، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت، خیبر پختون خواہ

بہترین پانی

زم زم کا پانی حد درجہ قلب کو سکون دیتا ہے۔ اس کی شانِ نورانی حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رُوئے زمین میں سب سے بہترین پانی زم زم ہے"

حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا" دو کنوؤں میں بہترین کنواں زم زم ہے اور بدترین کنواں برہیوت ہے جس میں کفار کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔ برہیوت حضرت موسیٰ کی گھاٹیوں میں ہے۔ (جامع لطیف، ص۱۶۲)

شفائے امراض

حضور ﷺ نے فرمایا" آبِ زم زم ہر بیماری کے لیے شفا ہے"۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ سرورِ کائنات نے فرمایا:" دو بخار جہنم کی گرمی میں سے ہے ٹھنڈا اسے زم زم سے ٹھنڈا کرو"

یمن کے ایک معروف فاضل و عامل مفتی ابوبکر عمر المعروف الشیخی کے فرمان کے مطابق ایک شخص مرضِ استقا (پیٹ میں پانی بھر جانے) میں مبتلا تھے۔ اور معالج اسے لاعلاج قرار دے چکے تھے۔ زم زم پینے سے شفایاب ہو گیا۔ (تاریخِ مکہ، ص۳۹۸)

نابینا کو شفا:

ایک نابینا نے آبِ زم زم پی کر آنکھوں میں ڈالا۔ تو اللہ پاک نے اس کی برکت سے اُسے بینائی عنایت فرمادی۔ (تاریخ مکہ، ص۳۹۹)

آبِ کوثر پر فضیلت:

شیخ الاسلام سراج الدین بلقیسیؒ کا فرمان ہے" آب زم زم کوثر کے پانی سے بھی افضل ہے کیوں کہ اس پانی سے حضورِ اقدس ﷺ کے سینہ مبارک کو دھویا گیا اور یہ ممکن نہیں کہ آپؐ کے قلبِ اطہر کو افضل ترین پانی سے نہ دھویا گیا ہو۔ (تاریخ مکہ، ص۳۷۶)

حسبِ منشا خاصیت کا حامل:

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ذیشان ہے کہ آبِ زم زم جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے۔

عبدالعزیز بن رواحہ کہتے ہیں کہ ایک نیک چرواہا تھا۔ جب اسے بھوک تنگ کرتی تو وہ آبِ زم زم پیتا۔ اُس میں دودھ کا سا ذائقہ، لذت، فرحت اور طاقت پاتا اور جب نماز کے لیے وضو کی غرض سے لیتا تو اس میں پانی کی خاصیت پاتا۔ (تاریخ القویم، جلد۳، ص۴۰)

طعام وطعم

آں حضرت محمد ﷺ کے اعلانِ نبوت کے موقع پر حضرت سیدنا ابوذر غفاریؓ تیس دن تک غلافِ کعبہ شریف میں رُوپوش رہے۔ تاکہ کفار کی دسترس میں سے محفوظ رہیں۔ حضور سرورِ عالم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو دریافت فرمایا کہ اتنے دن کیا کھایا؟ انھوں نے عرض کیا آبِ زم زم کے سوا میری کوئی اور خوراک نہ تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ مبارک پانی ہے اور طعام وطعم (کھانا غذا) ہے۔ (تاریخ القویم، جلد۲، ص۷)

قبولیتِ دُعا کا وسیلہ

الشیخ خطیب بغدادیؒ جب حج کرنے تشریف لے گئے تو انھوں نے آبِ زم زم نوش کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے تین حاجات طلب کیں۔

۱۔ اے اللہ میں تاریخِ بغداد مکمل کرلوں۔

۲۔ ''جامع حضور'' کی تدوین پوری ہو جائے

۳۔ میری قبر حضرت بشر حافیؒ کی قبر مبارک کے پاس بنے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے زم زم کی برکت سے تینوں دعاؤں کو پورا فرمادیا (طبقات دینی)

علامہ محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے زم زم پیتے وقت علمِ نافع کی دُعا مانگی جسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا۔

شیخ الاسلام ابن حجر نے طالب علمی کے زمانہ میں آبِ زم زم پی کر حق تعالیٰ سے حضرت علامہ ذہبیؒ جیسے حافظِ حدیث ہونے کی دُعا مانگی تو حق تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی۔ حضرت علامہ موصوف کا علمی مقام ومرتبہ کسی سے مخفی نہیں۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کا لقب شہاب الدین، کنیت ابوالفضل اور نام احمد بن علی بن محمود بن حجر الکنانی ثمہ المصری الشافعی تھا۔ علم کا شوق غالب ہوا تو دُور دراز کے ملکوں کا سفر کیا۔ اور حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسنین عراقی کے حلقۂ درس میں حاضر ہوئے۔ اور وہاں فنِ حدیث میں اتنا بڑا مرتبہ حاصل کیا کہ حافظِ حدیث کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ ان کی تصنیفات ایک سو پچاس سے زیادہ ہیں۔ مگر فتح الباری شرح بخاری شریف وشرح نخبۃ الفکر نے جو شہرت حاصل کی وہ کسی کو حاصل نہ ہوئی۔ منہبات ہی آپ کی اعلیٰ درجہ کی تالیف ہے جو درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔

محمد احقر نے حضرت علامہ عبدالحمید افغانی عرف کابل استادؒ سے یہ کتاب پشتو میں پڑھی۔ اور پھر اس کا بغداد میں بامحاورہ ترجمہ کیا۔ پوری کتاب کے موضوعات کو الگ الگ عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور نے زیورِ طباعت سے ''انوار الحکم'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ حضرت کابل استادؒ کا درس وتدریس دیتے ہوئے جہلم موڑ سلطان ماربل فیکٹری کے اہلِ سنت کی ایک درس گاہ میں انتقال ہوا؛ اور وہیں پیوندِ زمین ہوئے۔ آپ پر عقیدت مندوں نے روضہ بنایا ہے اور عرس بھی کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کے مرقدِ منور پر انوار کی بارش کرے۔

اسی خاکِ آستاں میں اک دِن فنا بھی ہوگا

کہ بنا ہوا ہے بیدمؔ اسی خاکِ آستاں سے

آپ کی تاریخِ وصال

حضرت سدید بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو دیکھا کہ آبِ زم زم پیا۔ پھر کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے کہنے لگے۔

''اے اللہ! میں نے زم زم اس نیت سے سے پیا ہے کہ قیامت کے دن پیاس سے

نجات مل جائے۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق تو میرے اس مقصد کو پورا فرما دے۔"

(جامع لطیف، ص ۱۷۱)

حضرت ابن عباسؓ کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب زم زم نوش فرماتے تو یہ دعا فرماتے؛

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ عِلْماً نَا فِعاً وَّرِزْقاً وَّاسِعاً وَ شِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ"

اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، فراخ رزق اور جملہ امراض میں شفا کی دعا کرتا ہوں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں اس کے علاوہ دنیا و آخرت کے امور میں سے جو چاہے دُعا کرے؛ لیکن گناہ کی دعا نہ کی جائے۔

علامتِ ایمان ونفاق

آں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ زم زم سے مومن کا پیٹ بھر جائے گا اور منافق کا نہیں بھرے گا گویا کہ یہ ایمان اور نفاق کی علامت ہے۔

جنت کا چشمہ

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ زم زم کے کنویں میں جو سوت حجرِ اسود کی طرف سے آرہا ہے۔ وہ جنت کا چشمہ ہے۔"

(تاریخ القویم، جلد ۳)

زم زم کو دیکھنا عبادت

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزوں کو دیکھنا ہی عبادت ہے۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ قرآن مجید ۲۔ کعبہ شریف ۳۔ والدین

۴۔ عالم کا چہرہ ۵۔ زم زم

ان کے دیدار سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

زم زم پینے کے آداب

زم زم اور وضو کا پانی کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ آبِ زم زم کھڑے ہو کر پی رہے ہیں''

احادیث میں مرقوم ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ زم زم تین بار نوش فرماتے اور ہر بار بسم اللہ سے شروع کرتے اور آخر میں الحمد للہ کہتے۔ ہر بار خوب سیر ہو کر پیتے۔ تیسری بار پہلی دو بار سے زیادہ پیتے۔

زم زم کی سوغات

زم زم کا تحفہ دوسرں شہروں یا علاقوں میں لے جانا بھی سنت ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جابرؓ کے ذریعے حضرت سہیل بن عمرؓ کو مکہ مکرمہ میں پیغام بھیجا کہ ہمارا خط اگر رات کو ملے تو صبح کا انتظار نہ کرنا اور اگر دن کو ملے تو رات ہونے سے پہلے ہمیں زم زم پہنچا دو۔ جب انھیں نامہ مبارک ملا؛ تو بلا تاخیر ایک آدمی کو دو مشکیں بھر کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روانہ کر دیں''

زم زم کا کیمیائی تجزیہ:

موجودہ سائنسی اور تکنیکی دور میں آبِ زم زم کا کیمیائی تحلیل و تجزیہ لیبارٹری میں کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں گونا گوں فوائد و خواص کے معدنی اجزا کا مرکب پایا گیا۔

سائنسی تجزیہ کے مطابق اس برکت والے پانی میں میگنیشیم سلفیٹ، سوڈیم سلفیٹ کیلشیم کاربونیٹ، سوڈیم کلورائیڈ، پوٹاشیم نائٹریٹ اور ہائیڈروجن سلفائیڈ کے معدنی اجزا پائے جاتے ہیں؛ جو اعضا کی حرارت دُور کرنے استقاء، قبض رفع کرنے، ذیابیطس و شوگر، خونی پیچش اور پتھری کے امراض میں افاقہ کرنے، تنفس کی صفائی، آنت اور پیٹ کی بیماریوں کو ختم کرنے اور جلدی امراض بالخصوص خنازیر کے امراض میں مفید ہیں۔

چاہِ زم زم پر زمانہ جاہلیت میں دو بت اسان اور نائلہ رکھے ہوئے تھے۔ اسان مرد اور نائلہ عورت تھی۔ دونوں قبیلہ جرہم سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یمن کے باشندے تھے۔ ان دونوں میں آپس میں محبت ہوگئی۔ جب یہ حج کرنے مکہ مکرمہ آئے تو لوگوں کی غلفت کے وقت ملتزم میں بدفعلی کی۔ جس کی پاداش میں ربِ کعبہ نے انھیں انسانی شکل وصورت میں مسخ کر کے پتھر کا بنا دیا۔ لوگ اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوئے اور انھیں وہاں سے اُٹھا کر چاہِ زم زم کے قریب پھینک دیا تا کہ لوگ انھیں دیکھ کر درس عبرت لیں اور گناہ کا انجام دیکھیں۔ ان کے مجسمے وہیں پڑے پڑے ایک زمانہ گزر گیا تو مشرکین نے انھیں معبودوں کا درجہ دے دیا۔ اور عبادت کرنے لگے۔ نذریں مانی جاتیں اور حضور کی قرب کے لیے قربانیاں کی جاتیں۔

(تاریخ مکہ، ص ۳۱۳)

پلاسٹک کے کولرز جن میں ۶۰ لٹر پانی آتا ہے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔ ہارڈ بورڈ کی چوکیاں جو تین جانب سے بند اور ایک طرف سے کُھلی ہوتی ہیں۔ ان پر کولر رکھ کر کھلی جانب ایک سٹیل کی بڑا ٹپ رکھا ہوا ہے؛ جس میں استعمال شدہ پانی گرتا ہے۔ اس پانی کے انتظام کے لیے حرم شریف میں چار ہزار سے زیادہ ملازمین تین شفٹوں میں مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ کولروں کی تعداد پانچ ہزار سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

جاری ہے--------

☆☆☆☆☆

دائم الحضوری میاں غلام احمد وسیرؒ

غلام احمد ضمیر☆

یادش بخیر مجھے اگر جدامجد میاں محبوب عالم وسیرؒ کی آغوش شفقت ومحبت نہ ملتی تو آج میں وہ نہ ہوتا جو میں ہوں۔ یعنی اپنے بزرگوں کے دربار کا خادم وخاکروب، جہاں تک یاد پڑتا ہے وہ ہمیں پہلو میں بٹھا لیتے اور اپنی میٹھی اور شیریں زبان میں سیرتِ پاک سیرت اہل بیت سیرت صحابہ سیرتِ اولیا اور اپنے اسلاف کے چیدہ وچنیدہ واقعات بتایا اور سنایا کرتے۔ بالخصوص اپنے جدِ امجد حضرت دائم الحضوری میاں غلام احمد وسیرؒ اپنے والد گرامی جانشین دائم الحضوری میاں حمیدالدین وسیرؒ اور اپنے سردار بزرگ حضرت غلام میاں محمد عالم آسی وسیرؒ راگھوی ثم امرتسریؒ کو بہت یاد کرتے اور اُن کی زندگی کے خوبصورت اور دل آویز واقعات سناتے اور یہ بات تکرار کے ساتھ دُہراتے کہ زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر عمر کے اس آخری حصہ تک ممکن تھا۔ اکثر ہر روز نہیں تو دوسرے تیسرے دن کولوتارڑ اپنے جدِ امجد اور والدِ محترم کے درباروں پر حاضری ان کا معمول تھا۔ یوں ہی اپنے حصے کا فیض بھی ملتا تھا اور پیار بھی۔ وہ خود بھی ان سے بے حد پیار کرتے تھے اور ان کے عاشقِ صادق تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ ان کی خواہش ہے کہ ان کی قبر ان کے جدِ امجد کے جوارِ رحمت میں بنے۔ ہر چند کہ یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور ان کا مزار راگھوسیداں میں ہی بنا۔ یہی نہیں بل کہ وہ اپنے جدِ امجد کے مرشد گرامی حضرت میاں محمد موسیٰ فتح پوریؒ کے متعلق بھی بتاتے کہ وہ بہت بڑے استاد اور ولی اللہ تھے اور ان کے استاد اور مرشد حضرت صاحب مکھڈ شریف والے چشمہ علم وعرفان تھے۔ ان کے ابیات اور غزلیات بھی سنایا کرتے اور ان کے فیضان جاریہ کی بھی تصدیق کرتے کہ ان کے والدِ محترم میاں حمیدالدین نے انھیں یہ فیض عطا کیا تھا۔ بایں الفاظ کے،، ہن کھول دڑنبہ کلیاں کسے ھوری دے گل نبھ۔ چناں چہ راقم الحروف نے اپنے

☆ کولوتارڑ، حافظ آباد

تحریر کردہ ''تذکرہ شاعرِ جمال رسالت'' کے آخر میں شجرہ چشتیہ نظامیہ حضوریہ میں حضرت میاں محبوب عالم وسیرؒ تک کے اسمائے گرامی شامل کر دیے ہیں۔ یہ نسبت انھی الفاظ کے ساتھ جدِ امجد مرحوم نے راقم عفی عنہ اور والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی عطا کی تھی۔ الحمداللہ اسی کا اثر ہے کہ بزرگوں کے آثار کا تحفظ اور اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ الحمداللہ

واضع رہے میاں احمد حسن فتح پوریؒ نے اپنی عمر کا آخری حصہ راگھوسیداں میں گزارا اور یہیں ان کا مزارانور موجود ہے۔ راقم الحروف کو بچپن میں ان کے دیدار اور شفقت کا شرف حاصل ہے۔ مجھے ان کے اور ان کے بیٹے میاں نور محمدؒ کے بیانات کے دیکھنے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ ان کے لائبریری کی چند کتب بھی میری دیکھی ہوئی ہیں۔ صاحبِ علم وفضل اور صاحبِ روحانیت تھے۔ مکھڈ شریف سے خواجہ زین الدین مکھڈویؒ کا ایک مکتوب گرامی ہمارے پاس تبرک کے طور پر موجود و محفوظ ہے۔ اس کا آغاز دائم الحضوری کو ان القابات سے کیا ہے۔ بخدمت فضائل وکمالات پناہ فواضل وبلاغت دستگاہ قدوۃ المحققین زبدہ المدققین اعنی مولوی صاحب مولوی غلام احمد جی سلامت۔

یہ القابات محض رسمی نہیں ہیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ یہیں سے ان کے استاذ گرامی کی علمی وجاہت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہمارے پاس شجرہ ہائے طریقت چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور قادریہ بھی موجود ہیں اور اُردو وظائف بھی۔ درودِ مشغات اور ختم خواجگاں چشتیہ کی اجازت و طریقہ بھی۔ جو تبرکاتِ مکھڈ شریف اور فتح پور شریف میں شامل ہیں۔

حضرت میاں محمد موسیٰ فتح پوری فیضانِ مکھڈ شریف کا عکسِ جمیل تھے۔ جانشین دائم الحضوری میاں حمید الدین وسیرؒ اپنے اشعار میں آپ کی تصویریوں کھینچتے ہیں۔

میرے والد دے سن پیر محمد موسیٰ کامل
بلکہ حضرت موسیٰ ثانی نام اخلاقاں شامل

حضرت موسیٰ صلوات اللہ طور اُتے نِت جاندے
دل دے مطلب پچھ پچھا کے مقصد ربوں پاندے
موسیٰ ثانی وچ دریا وحدت دے غوطہ لاون
فیضِ حقانی رحمتِ ربی ہر ویلے پے پاون
عالم ربانی تے فاضل شرعی طور نورانی
بدعت شرک نہ نیڑے آوے جتھے شیر حقانی
خُلق عظیم رسول اللہ دے وچوں حصہ پایا
طالب دین ہویا جو آکے اوس نے دین ودھایا
گمراہی دا بوٹا مُڈھوں پٹیا اوس وَجوددوں
جس نے مجلس پائی اوس نوں فضل ہویا معبوددوں
اکثر ایہہ گل ثابت پکی فرق نہ کوئی جانو
صحبت اثر کریندی پورا نیکوں نیک پچھانو
مجلس خاص ولی دے اندر جو کوئی حاضر آوے
نال محبت بیعت لوڑے دین نبی دا پاوے
ولی خدا دا عالم فاضل دینی علم سکھاوے
ظاہر باطن والی سیاہی دل تھیں دُور وَگاوے[6]

میاں غلام احمد وسیرؒ موضع سہارن چٹھہ تحصیل وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ میں میاں شیر محمد بن میاں خان محمد بن میاں فقر اللہؒ کے نال پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی اور جدِ گرامی عالم فاضل اور سالک راہِ خدا تھے۔ وسیر قوم سے نسبی تعلق ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر والدِ گرامی سے حاصل کی۔ علی پور چٹھہ میں مشہور عالمِ دین مولوی کرامت اللہ شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حاصل کی اور پھر درس وتدریس کے بادشاہ حضرت میاں محمد موسیٰ فتح پوریؒ کے حضور زانوائے تلمذتہ کیا اور علوم

ظاہری کی دستار اور علومِ باطنی کی بیعت و اجازت حاصل کیا۔ کچھ عرصہ آبائی گاؤں میں گزارنے کے بعد والد، قوم اور مرشد محترم کے ایما اور کولوتارڑ کے عوام وخواص کی خواہش پر یہاں تشریف لائے۔ اور تقریباً پچاس سال یہاں دینی تبلیغ، تعلیم وتربیت اور تدریس علوم دینیہ اور ترویجِ علوم باطنی میں گزاری۔ یہاں گردونواح کے معاشرہ کی اصلاح وتربیت پر بھرپور توجہ کی آپ حضرت میاں صاحب کے عکسِ جمیل تھے۔

زہدوریاضت کے شائق تھے۔ صائم الدہر اور قائم الیل تھے۔ سیف زباں ایسے کہ ادھر زبان سے جو نکلا وہ تیر بن کے پیوست ہوگیا۔ صاحبِ نظر اور صاحبِ دِل تھے۔ رسول صحبت اور مجلس کا اثر کیمیا کی خاصیت رکھتا تھا۔ خلقِ عظیم کے حامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی صورت وسیرت کے عاشق تھے۔ سنت کے والہ و شیدا تھے۔ اور اسی عشق پائیدار کے سفیر اور ترجمان تھے۔ شعروادب، خطابت، تدریس ہر حوالے سے ناموسِ رسالت، مقامِ مصطفیٰ اور سیرتِ رسول اور صورتِ رسول کی تذکیر وتوقیر آپ کا منفرد اعزاز اور اعتقاد تھا۔ چناں چہ حُلیہ شریف پنجابی منظوم خورد کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا جواب نہیں۔ اب یہ نظم رفیع عاشقوں کے روزانہ وظائف میں داخل ہے۔ فارسی، پنجابی نظم ونثر میں آپ کا بہت سا کلام موجود ہے اور آپ کے عشقِ صادق پر دلیل ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے علم وفضل اور قادرالکلامی کا علمی ثبوت ہے۔

مکھڈ شریف سے جو فیضِ تدریس وتربیت فتح پور شریف پہنچا اسی کا مرکز کولوتارڑ بنا۔ آپ نے پورے پچاس سال یہاں پر سینکڑوں شاگرد تیار کیے اور پورے پنجاب بل کہ برصغیر کے کونے کونے میں آپ کا فیض پہنچا۔ وقف زمیں سے اس کے اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔ مسلمان تو مسلمان ہندو سکھ بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ یہی نہیں بل کہ جنّات بھی آپ سے تعلیم ظاہر وباطن حاصل کرتے تھے۔ سینکڑوں غیر مسلم مسلمان ہوئے اور آپ کی تربیت سے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ آپ بحرالعلوم والفنون تھے اور مرکز ومرجع خلائق تھے۔

صاحبِ کشف وکرامت تھے۔ سینکڑوں لوگ آپ سے بیعت کرتے اور بامراد

ہوئے۔ گویا قندیل سلیمان کے نور سے روشن اس چراغ عشق رسول نے ایک دنیا کو مستنیر کیا۔ یہی نہیں آپ کے پانچوں بیٹے صاحب علم وفضل اور صاحب روحانیت تھے۔ بالخصوص جانشین دائم الحضوری میاں حمید الدین ویسیؒ اور ان کے دونوں فرزنداں ارجمند فخرِ اہلِ سنت حضرت علامہ محمد عالم آسی اور حکیم میاں محبوب عالم ویسیؒ اس فیضان جاریہ کا ہی حوالہ بنے۔ یہ فیضانِ جاریہ اب بھی موجود ہے۔ آپ مقبول بارگاہِ رسالت ﷺ تھے۔ اور دائم الحضوری کے مقامِ رفیع پر فائز ہیں۔ آپ ۱۸ ربیع الثانی ۱۲۹۹ھ کو ہوا۔ ۹ مارچ ۱۸۸۲ء مطابق ۲۸ پھاگن بروز جمعرات بہ وقتِ اشراق بہ حالتِ وضو بہ حالتِ بیداری شہیدِ جمال رسول ہوئے اور کولوتارڑ کے جنوبی قبرستان میں دربارعالیہ حضوریہ کے بانی ٹھہرے۔ جہاں آپ کا مزار پاک آج بھی مرکزِ عشق رسالت کی حیثیت رکھتا ہے اور اہلِ ہمت کے لیے زیارت گاہ ہے۔ راقم کو خادم وخاکروب کا اعزاز حاصل ہے اور ایوانِ دائم الحضوری آپ اور آپ کے اخلاف کے حوالے سے نمائندہ کردار ادا کر رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ قبلہ غلام محی الدین احمدؒ

پروفیسر خلیل الرحمٰن ہاشمی ☆

نَحــمَده وَنصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم ألا ان اَولیاء الله لاخوف علیهم ولاهم یحزنون الذین امنو وکانو یتقون لهم البشریٰ فی الحیٰوة الدنیاوفی الاخرة لا تبدیل لکلمات الله ذالک هوالفوز العظیم[پارہ۱۱۔ سورہ یونس،۶۴۔۶۲]

ترجمہ

سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انھیں خوشخبری ہے دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں؛ یہی بڑی کامیابی ہے۔شانِ اولیا کی ابتدا لفظ اِلاّ فرمانے سے ظاہر ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے اولیا کو خاص بزرگی و برتری کا تاج عطا فرمایا پھر اِنَّ ارشاد فرمایا کہ بے شک،لاریب،واقعی۔

عربی دان حضرات کو علم ہے کہ اِنَّ منکر (انکاری) کو جواب کے لیے بھی لایا جاتا ہے۔اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ رب العزت کے علم مبارک میں تھا کہ مستقبل میں ایسے افراد ہوں گے جو شانِ اولیا کے منکر ہوں گے یا سرے سے اولیا کے انکاری ہوں گے لہٰذا اِنَّ جہاں منکرینِ اولیا کے لیے بیان ہوا وہاں شانِ اولیا کے لیے عیاں ہوا۔شانِ اولیااِنَّ سے بیّن فرمایا کہ یہ عظیم شانوں کے مالک ہیں اسی لیے میں نے ولایت کا تاج ان کے زیب سر کیا۔پھر دُنیاوی و اُخروی حیات کا جاں فزا مژدہ ارشاد فرمایا: کہ خوف و رنج کا دُنیا میں قدم بہ قدم سامنا ہوسکتا ہے؛لیکن ان نفوسِ قدسیہ کو میں نے دُنیا سے آزاد کردیا ہے اور اُخروی حیات میں انھیں خوف سے بے نیاز کردیا۔یہ **لا خوف علیهم ولا یحزنون** سے واضح ہوا۔

☆ پرنسپل (ر) گورنمنٹ ڈگری کالج عیسیٰ خیل (میانوالی)

صاحبان! مزید قرآنِ کریم کے فرمانِ عظیم نے اس کو عیاں و بیان فرما دیا۔ دُنیاوی حیات کے لیے فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ . اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ جب کہ اُخروی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے ملائکہ مومن اولیا کو مژدہ زبانی سُناتے ہیں اور اسی مقام پر اُن کو اُخروی حیات میں خوف سے بے نیاز ہونے کی نوید دی جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ عزّ اسمہ ہے۔

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً o
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ o وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ o [سورۃ فجر، آیت ۲۷ تا ۳۰، پارہ ۳۰]

ترجمہ: فرشتوں کی زبانی جوں ہی ولی اللہ یہ مژدہ سُنتا ہے۔ مسکراتے ہوئے پیغام اجل کو لبیک کہتا ہے۔ آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی جن میں اللہ جلّ مجدہ کے فرمانِ ذی شان سے شانِ اولیا میں مزید تقویت ملتی ہے۔ عن ابی ھریرۃ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ قال من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب وما تقرب اِلَیَّ عبدی بشیءٍ احب اِلَیَّ مما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حتی احبته فاذا احببته فکنت سمعه الَّذِیْ یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بھا ورجله التی یمشی بھا ان سالنی لاعطینه. (بخاری باب التوضع ومشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ: [حدیثِ قُدسی] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو کوئی میرے ولی سے میرے واسطے دشمنی کرتا ہے۔ میں اس کو خبر دیتا ہوں میرے ساتھ لڑنے کی اور جن چیزوں کو میں نے اپنے بندہ پر فرض کیا تھا۔ اس سے بڑھ کر کسی محبوب تر چیز سے میری طرف میرا بندہ تقرب نہیں کرتا اور نوافل سے میرا بندہ میرا مقرب بدوام بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں۔ پس میں اس کا، کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ آنکھ ہو جاتا ہو جس سے وہ دیکھتا ہے؛ اور ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے؛ اور پاؤں جس سے

وہ چلتا ہے۔اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں ضرور اس کو عطا کرتا ہوں۔سبحان اللہ یہ شانِ اولیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بن جاتے ہیں اور اللہ جل شانۂ اُن کا بن جاتا ہے۔

ایک اور حدیثِ مبارکہ جو کہ بخاری و مسلم میں بیان ہوئی کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ایک کمانڈر کو نہاوند (ملک ایران) ایک معرکہ کے لیے ارسال فرمایا۔آپؓ مدینہ منورہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔دیکھا کہ کمانڈر ساریہؓ اور لشکر پر عنقریب دشمن غالب آجائیں گے لہٰذا دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا: ''یا سَارِیَۃُ الْجَبَلْ''۔حضرت عمر فاروقؓ کا مدینہ طیبہ میں سینکڑوں میل دور نہاوند میں دیکھنا اور پکارنا اور حضرت ساریہؓ کا حضرت عمر فاروقؓ کی آواز مبارک سننا اور پھر ہدایت کے مطابق عمل کرنا اور فتح یاب ہو جانا۔ادھر صحابہ کرام رضوان اللہ نے آپس میں کہا کہ حضرت عمر فاروقؓ کو کیا ہو گیا کہ جمعہ شریف کے خطبہ میں ''یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل'' کہہ رہے ہیں لیکن جب لشکر مدینہ طیبہ واپس آیا تو انھوں نے بتایا کہ فلاں تاریخ کو بوقتِ جمعہ ہم نے حضرت عمر فاروقؓ کی آواز سنی اور عمل کیا تو فتح مند ہو گئے۔سبحان اللہ! جب بندہ نوافل کی کثرت کرتا ہے تو اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے کان، آنکھ، پاؤں اور ہاتھ بن جاتے ہیں جس سے وہ امورِ دنیاوی سرانجام دیتا ہے۔نیز صحیح مسلم شریف "باب اذا احب الله عبدا" ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتے ہیں تو جبرائیلؑ کو بلا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔پس حضرت جبرائیلؑ بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔پھر جبرائیلؑ آسمان میں ندا فرماتے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو چاہتے ہیں تم سب اُس سے محبت رکھو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔پھر اہلِ زمین میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو کسی شخص سے بُغض ہوتا ہے تو جبرائیلؑ کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے بُغض رکھتا ہوں۔تم بھی بُغض رکھو پس جبرائیلؑ بھی اس سے بُغض کرنے لگ جاتے ہیں۔پھر

جبرائیلؑ آسمان میں ندا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتے ہیں تم سب اس سے بغض رکھو تو آسمان والے بھی اس سے بغض کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر اہلِ زمین کے قلوب تک میں اس کی مبغوضیت آجاتی ہیں۔

اس حدیثِ طیبہ سے معلوم ہوا کہ اولیا اللہ، اللہ تعالیٰ کے محبوب، جبرائیلؑ اور ملائکہ کے محبوب ہوتے ہیں؛ اور پھر اہلِ زمین بھی انھیں محبوب رکھتے ہیں۔ اور زمین والوں میں ان کی شہرت ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے کوئی داتا گنج بخشؒ، غوث اعظمؒ، سلطان الہندؒ، شمس العارفین سیالویؒ اور کوئی مولانا محمد علی مکھڈویؒ کے نام سے شہرت پا گئے اور محبوبِ خلائق ہوئے۔ الحمدللہ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا بہت پراگندہ حال ایسے ہیں کہ جن کو دروازوں سے لوٹا دیا جاتا ہے اگر وہ کسی کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا لیں تو اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا فرما دیتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے بھی ولی اللہ کی قدرت کا اثبات ہوتا ہے۔

اولیا اللہ سے مدد مانگنے کی ترغیب ختمی مرتب ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ ملاحظہ ہو حصن حصین شریف۔

ترجمہ: جب مدد لینا چاہے۔ تو کہے اے اللہ کے بندو! میری امداد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

مقام غور و فکر ہے کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو کی سہ بار تکرار فرمائی۔ یعنی اولیا سے مدد طلب کرنا کو شرک کی نفی قرار دے دیا اور اس حدیثِ عالیہ سے یہ بات بھی عیاں ہوئی کہ اولیا اللہ سے مدد حاصل کرنا حضور نبی کریم ﷺ کی عین ہدایت مبارکہ ہے؛ اور ان سے اوقات مشکل میں مدد لینی چاہیے۔ حالاں کہ یہ رجال الغیب ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کا ذکر مبارکہ موجود ہے اور کَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا کی تفسیر میں حضرت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ جس دیوار کی دوبارہ تعمیر ہوئی تو ان بچوں کے آبا سات پشت اوپر ایک ولی اللہ اور صالح مرد تھے۔ اور ان کے بچوں کی دیوار کی تعمیر دو جلیل القدر نبیوں نے فرمائی۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اولیا کی؟

مولانا روم قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں

کارِ پاکاں خود رہ مگر

چوں نوشتن شَیر و شِیر

اللہ کے محبوب اور محبوبِ خلائق نفوسِ قدسیہ کو اپنی طرح خیال مت کرو۔ جس طرح شیر و شیر لکھنے میں ایک ہیں لیکن شیر درندہ ہے؛ اس سے ہلاکت ہے۔ جب کہ شیر (دودھ) ایک ایسی غذا ہے جس سے انسان کی نشونما ہوتی ہے۔ شِیر باعثِ بقا ہے جب کہ شَیر باعثِ ہلاکت۔

کراماتِ اولیا و فضیلتِ اولیا قرآن پاک میں ثبت ہیں۔ جب کہ احادیثِ قدسیہ و احادیثِ نبویہ سے بھی ثابت ہے اُن سے امداد طلب کرنا۔ اپنی مشکلات کو حل کرانے کے لیے اُن سے درخواست کرنا۔ دُور و نزدیک سے اُن کا ملاحظہ کرنا۔ ہدایات دینا، آوازوں کا پہنچانا، گفتگو کا سُننا اور باہم پہنچانا باذن اللہ ثابت ہے اللہ سبحان وتعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تائیدِ غیبی فرماتے ہیں جس سے وہ دستگیری فرماتے ہیں۔

فضیلت و کرامات حضرت غوثِ زماں خواجہ غلام محی الدین احمدؒ سے ہمارے خاندانی شاگردی کا تعلق دو تین پُشتوں پر محیط ہے۔ میرے نانا حضرت قاضی محمد حفیظ اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو آں جناب کے شاگردی کا شرف رکھتے تھے وہ آپ ذات ستودہ صفات کو "غوثِ زماں" فرماتے تھے۔ میرے نانا صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی حضرت قاضی نور زمانؒ سے حاصل کی جو فاضلِ دیوبند تھے۔ میرے نانا مرحوم و مغفور نے بقیہ علوم مکھڈ شریف سے حاصل کیے اور اپنے مہربان مشفق، رحیم و کریم اُستادِ محترم غوثِ زمان کے مشورہ عالیہ سے عازم دیوبند ہوئے۔ میرے نانا صاحب مرحوم و مغفور فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرے گھر سے عیسیٰ خیل کی خاص سوغات سوہن حلوہ مکھڈ شریف سے آیا اور میرے دل و دماغ نے فیصلہ کیا کہ آدھا حلوہ حضور غوثِ زمان کی خدمت میں پیش کروں۔ اور اس خیال کی تکمیل کی خاطر میں حجرہ سے حضور غوثِ زمان کی خدمتِ اقدس میں بالا خانہ کی طرف روانہ ہوا چوں کہ حضرت غوثِ زمانؒ بالا خانہ

میں قیام فرماتے تھے۔ میں نے نصف سیڑھیاں طے کیں تو دیکھا کہ اعلیٰ حضرت غوث زمان قدس سرہ العزیز بالا خانہ سے نصف سیڑھیاں طے فرما چکے تھے۔ میں عرض گزار ہوا۔ یا حضرت کہاں کا ارادہ مبارک ہے تو حضرت غوث زمانؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نصف سیڑھیاں اس لیے طے کیں کیوں کہ مجھے معلوم ہوا کہ محمد حفیظ اللہ میرے لیے حلوہ لا رہا ہے اس لیے آدھی سیڑھیاں میں طے کروں اور آدھی آپ۔ میرے دماغ میں فوری طور پر دو حدیثیں آئیں کہ واقعی اولیا اللہ جاسوس قلوب ہوتے ہیں اور دوسری حدیث کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہوتا ہے۔ میرے نانا صاحبؒ کے دادا حضرت قاضی شیخ احمدؒ نے بھی تعلیم مکھڈ شریف سے حاصل کی ان کی والدہ مرحومہ ''تراپ'' سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بچپن میں یتیم ہو گئے اس لیے تعلیم و تربیت کا ان کو شرف مکھڈ شریف سے رہا۔

آپ فرماتے تھے کہ حضرت غوثِ زمان قدس سرہ العزیز طلبا پر انتہائی مہربان، مشفق، رحیم و کریم اور صاحبِ جود و سخا تھے۔ حضرت غوثِ زمان قدس سرہ العزیز کے لیے پراچگانِ مکھڈ شریف کی طرف سے صبح و شام کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ اور حضرت غوثِ زمانؒ باری باری طلبا کو اپنے ساتھ طعام فرماتے۔ قاضی شیخ احمد (مرحوم) کی باری آئی تو سنتِ مصطفیٰ ﷺ کے مطابق اپنے استادِ محترم قبلہ غوث زمانؒ کی خدمتِ عالیہ میں ہاتھ دھونے کے لیے پانی پیش کیا۔ حضرت غوثِ زمانؒ نے ہاتھ کا غسل فرمایا اور حکم دیا کہ کھانا دستر خوان پر لگاؤ۔ حضرت قاضی شیخ احمدؒ نے سر پوش اٹھایا تو مرغی اور حلوہ تھا۔ حضرت غوثِ زمانؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ کھانے کی ابتدا اپنے طالب علم سے فرماتے۔ قاضی شیخ احمدؒ نے عرض کیا یا حضرت میں تو کھانا نہیں کھاتا۔ حضرت غوث زمان قدس سرہ العزیز نے پوچھا کیوں؟ انھوں نے عرض کی یا حضرت آج اگر میں مرغی حلوہ کھا لوں تو کل کو میرا نفس مرغی حلوہ طلب کرے گا۔ اس آج یہ کھانا نہیں کھاتا۔ یا آپ دُعا فرمائیں کہ مجھے ہر روز مرغی حلوہ ملے۔

حضرت غوث زمانؒ نے فرمایا شیخ احمد تمھیں ہر روز مرغی حلوہ ملے گا۔ قاضی شیخ احمد زیر تعلیم تھے کہ نوابانِ عیسیٰ خیل عرس مبارک کے موقع پر ہر سال حاضری دیا کرتے تھے۔ رُوسائے عیسیٰ

خیل نے حضرت غوثِ زمانؒ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ یا حضرت! آپ ہمیں ایک ایسا فرد عطا فرمائیں جو منصبِ امامت و خطابت اور ہماری وسیع زرعی اراضی کی دیکھ بھال کرے۔ حضرت غوثِ زمان قدس سرہ العزیز کو خوانینِ عیسیٰ خیل کو ارشاد فرمایا کہ تمھارے شہر کا قاضی شیخ احمد یہ سب امور سر انجام دے سکتا ہے۔ اسے اپنے ہم راہ لے جاؤ۔ یوں قاضی شیخ احمدؒ عیسیٰ خیل آئے اور انھیں حضرت غوثِ زمان کی دُعا مبارکہ کے تحت ہر روز مرغی حلوہ ملنے لگ گیا۔ میرے پڑ نانا شیخ احمدؒ فرماتے تھے کہ میں خوانینِ عیسیٰ خیل کے امور کی سرانجام دہی کے لیے گیا تو مجھے رات جنگل میں آ گئی۔ میں نے اذان پڑھی نماز ادا کی اور سونے کے لیے تیاری کر رہا تھا کہ ایک نورانی چہرہ والا شخص نمودار ہوا۔ اُس نے حلوہ اور مرغی پیش کی اور پھر غائب ہوگیا۔ سبحان اللہ یہ حضرت غوث زمان قدس سرہ العزیز کی کرامت تھی۔

نیز میرے نانا صاحب مرحوم و مغفور جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر واپس تشریف لائے تو حضرت غوثِ زمان قدس سرہ العزیز نے ایک کتاب نقل کرنے کے لیے ارسال فرمائی۔ چوں کہ میرے نانا صاحب مرحوم و مغفور انتہائی خوش نویس تھے۔ نانا جان مرحوم نے استادِ گرامی حضرت غوثِ زمان قدس سرہ العزیز کے حکم مبارکہ کی تعمیل کرتے ہوئے کتاب مستطاب نقل کر کے پیشِ خدمت عالیہ کی جو آج بھی زینتِ کتب خانہ مکھڈ شریف ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت خواجہ امیر احمد بسالویؒ

علامہ محمد وارث

درس گاہ سلیمانیہ چشتیہ آستانہ عالیہ میرا شریف کے پہلے مدرس و مفتی حضرت مولانا خواجہ امیر احمد بسالویؒ کا ذکرِ خیر تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت خواجہ احمد میروی۔ؒ اولیا اللہ نے جہاں بھی ڈیرے لگائے وہاں علمِ دین کے مراکز ضرور قائم کیے۔ اولیا اللہ کے آستانے اور دینی درس گاہیں لازم ملزوم رہیں۔ غوثِ زماں پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ العزیز کے خلفائے کرام نے اپنے مرشد کے آستانہ عالیہ کی طرح اپنے اپنے آستانوں پر بھی علمِ دین کی شمع کو روشن کرنا اولین ضرورت سمجھا

تاجدار میرا شریف، محبوب اللہ الصمد حضرت خواجہ احمد میرویؒ نے جب میرا شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ درس گاہ جامعہ چشتیہ سلمانیہ میرا شریف کے لیے جب مدرس و مفتی کی ضرورت محسوس کی تو نظر حضرت مولانا خواجہ امیر احمد پر پڑی۔ آستانہ عالیہ تونسہ شریف حاضر ہوئے حضرت شاہ اللہ بخش تونسویؒ کی اجازت سے خواجہ احمد کو میرا شریف لائے۔ غالباً ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء تا ۱۳۔۱۹۱۲ء تک حضرت مولانا خواجہ امیر احمد بسالویؒ میرا شریف میں مسندِ تدریس پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔

حضرت مولانا خواجہ امیر احمد بسالویؒ کی ولادت باسعادت تقریباً ۱۸۶۵ء میں موضع ٹھگ سوڑہ تحصیل تونسہ شریف میں ایک انتہائی صالح پرہیز گار دیندار شخص مولانا حافظ قاری غلام محمدؒ کے گھر پیدا ہوئی۔ مولانا غلام محمد حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے گاؤں میں اپنا مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ حضرت مولانا خواجہ امیر احمد نے ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی۔ قرآن کریم والدِ گرامی سے پڑھا۔ بعدازاں دینی علوم کے حصول کے لیے مختلف

☆ مدرس وخطیب خانقاہِ معلیٰ خواجہ احمد میرویؒ، میرا شریف۔ تحصیل پنڈی گھیب (اٹک)

مقامات پر مختلف علمائے کرام سے اکتساب فیض کرتے رہے۔خواجہ بسالویؒ تونسہ شریف میں خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے قائم کردہ مدرسہ میں داخلہ لیا۔ یہ زمانہ خواجہ اللہ بخش کریم تونسویؒ کا تھا مدرسہ سلیمانیہ تونسہ شریف میں خواجہ بسالویؒ کے ہم سبق طالب علموں میں خواجہ کریم تونسویؒ کے صاحبزادے خواجہ حافظ محمود تونسویؒ بھی شامل تھے۔

خواجہ محمود تونسویؒ کے خواجہ بسالوی سے گہرے دوستانہ اور محبانہ مراسم تھے خواجہ امیر احمد بہت ذہین فطین تھے۔نظم،صرف ونحو،فقہ،اصولِ فقہ،منطق،بلاغت،ادب الغرض جملہ علوم دینیہ تفسیر وحدیث کے ماہر تھے۔طالب علمی کے زمانہ سے صوفیانہ مزاج غالب تھا۔آپ جب مثنوی شریف ترنم سے پڑھتے تو آپ کے استاذِ محترم وجد میں آکر اپنی ٹوپی اتار کر آپ کے سر پر رکھ دیتے تھے۔خواجہ بسالویؒ کی دستارِ فضیلت اور سند الفراغ حضرت خواجہ اللہ بخش کریمؒ کے ہاتھوں ہوئی تھی۔آپ نے کچھ عرصہ تونسہ شریف میں درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش کریم تونسویؒ کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ انھیں سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے مسندِ ارشاد ہوئے۔تین سال تک آپ دربارِ عالیہ تونسہ شریف کی جامعہ مسجد کی امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔چوں کہ طالب علمی کے زمانہ سے آپ کے حضرت خواجہ احمد میرویؒ سے گہرے مراسم تھے۔حضرت خواجہ احمد جب بھی میرا شریف سے تونسہ مقدسہ عرس پر تشریف لے جاتے تو حضرت خواجہ امیر احمد کے پاس ہی قیام فرماتے۔انھی دوستانہ مراسم کی وجہ سے خواجہ امیر احمدؒ خواجہ احمد میرویؒ کے مدرسہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دینے کے لیے آنا پڑا۔

جس درس گاہ کے بانی اور منتظم خواجہ میرویؒ تھے اور جس مدرسہ کے صدر مدرس خواجہ امیر احمدؒ تھے۔اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا میں خواجہ میاں محمد بسالوی،خواجہ حاجی فضل کریم چکوالی، پیر فتح شاہ صاحب مڑیالوی،مولانا احمد نور چاولی اور فیض اللہ شاہ صاحب چھپر شریف والے شامل تھے۔اس مدرسہ کی تعلیمی معیار کی کیا شان ہوگی اور تربیتی نظام کیسا ہوگا؟

حضرت خواجہ بسالویؒ میراشریف قریباً ۲۰ سال تک تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اُس وقت مدرسہ چشتیہ سلیمانیہ، میراشریف میں پنجاب و سرحد کے علاوہ کشمیر و افغانستان کے طلبا بھی علمِ دین کے حصول کے لیے میراشریف کا رُخ کرتے۔ مولانا خواجہ امیر احمد کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے جید علمائے کرام، حفاظ و قرا تدریسی خدمات میں مشغول رہے۔ اُس وقت ہر طرف میراشریف میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں آتی تھیں۔

میراشریف کا کتب خانہ ہندو پاک کے عظیم کتب خانوں میں شامل تھا۔ حضرت قطب میرویؒ خواجہ امیر احمدؒ پر بہت مہربان تھے۔ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی امیر احمد از جگری یاران ایں جانب است ہر روز در عشقِ خدا از و یاد باشید۔ [مولوی امیر احمد میرے جگری دوستوں میں سے ہیں۔ ان کے دل میں عشقِ الٰہی روز افزوں ترقی کرے] مولانا امیر احمد صاحب کو خلافت خواجہ اللہ بخش کریم تونسویؒ سے حاصل تھی اور خواجہ احمد میرویؒ نے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی فرمائی۔ حضرت خواجہ احمد میرویؒ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ خواجہ امیر احمد ایک عظیم خانقاہ قائم فرمائیں گے۔

قطب میرویؒ کے وصال شریف کے بعد خواجہ امیر احمد جھلار، ضلع اٹک میں تشریف لائے۔ یہاں چند سال قیام فرمایا۔ پھر ۱۹۱۷ء کے لگ بھگ بسال کے لوگوں نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیج کر بسال میں مستقل طور پر قیام پذیر ہونے کی درخواست پیش کی۔ اہلِ بسال کی اس مخلصانہ دعوت کو قبول فرماتے ہوئے ۱۹۱۷ء میں جلوہ آرائے بسال ہوئے۔ گاؤں سے جانب غرب ڈیرہ ڈالا۔ اس جگہ کا نام سلیمان آباد ہے۔

حضرت خواجہ امیر احمد متبعِ سنتِ نبوی ﷺ تھے اور اپنے مریدوں کو اس بات کا درس دیتے تھے۔ آپ کی ذات فقرِ محمدی ﷺ کی حسین تصویر تھی۔ جس دن لنگر میں درویشوں کے لیے کچھ نہ ہوتا تو اعلان کیا جاتا کہ آج عید ہے۔ اس اعلان کا مطلب درویشوں کو معلوم تھا یہ اعلان سُن کر درویش خوشی کا اظہار کرتے اور کہتے کہ آج عبادت کے لیے زیادہ وقت مل گیا ہے۔

آپ کا لباس انتہائی سادہ ہوتا۔ ایک دفعہ آپ کا خادم اللہ بخش آپ لیے کُرتہ بنوا کر لے آئے اور درخواست گزار ہوئے کہ حضور پرانہ کُرتہ اتار کر یہ نیا کُرتہ زیب تن فرمایے۔ آپؒ نے فرمایا اللہ بخش تم چاہتے ہو کہ میں قیامت کے دن اُن لوگوں میں شمار کیا جاؤں جن کے پاس دُنیا میں ایک سے زیادہ کُرتے ہوا کرتے تھے۔ یہ فرما کر آپ نے وہ کُرتہ میاں عمر نامی ایک درویش کو عطا فرما دیا۔

بسال شریف میں آپ نے بہت عظیم الشان درس گاہ قائم فرمائی۔ جس درس گاہ نے پورے ملک میں علم کا نور پھیلایا۔ دور دراز سے لوگ آئے۔ علمِ دین کے پیاسوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ آپ کی درس گاہ میں سرحد اور بلوچستان کے طلبا کی تعداد بہت زیادہ ہوتی۔ آج بھی بلوچی طلبا کافی تعداد میں قیام پذیر ہیں۔ خواجہ امیر احمدؒ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی کرامتوں کے عینی شاہد آج بھی موجود ہیں۔ آپ کی بہت بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ عبادت و ریاضت اور سخاوت میں یکتائے روزگار تھے۔

سیرت وصورت کے لحاظ سے بہت دِل کش شخصیت کے مالک تھے۔ جو بھی ایک نگاہ دیکھتا وہ نیک اور خدا پرست ہو جاتا۔ اس کی زندگی میں تبدیلی آجاتی۔ آپ اپنے دور کے کاملین کے منظورِ نظر تھے۔ تاجدارِ گولڑہ شریف حضور پیر مہر علی شاہؒ کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم تھے۔ گاہے بہ گاہے گولڑہ شریف تشریف لے جاتے۔ تاجدارِ گولڑہ بھی آپ کو دیکھ کر انتہائی خوش ہوتے۔ ایک مرتبہ پیر مہر علی شاہ شدید علیل ہو گئے۔ خواجہ امیر احمد بسالویؒ تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے۔ ملاقات کے بعد تاجدارِ گولڑہ نے ارشاد فرمایا: حضرت ہماری جب روزانہ ملاقات ہو جاتی ہے تو آپ نے کیوں تشریف لانے کی زحمت گوارا کی۔ یہ لوگ بارگاہِ رسالت کے حضوری میں شامل تھے۔ مقبولِ بارگاہ تھے۔ پیر صاحب گولڑویؒ نے امیر احمدؒ سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

استاد محترم عوام وخواص کی بڑی تعداد کے مرشدِ گرامی جامع معقول ومنقول خواص بحر معرفت پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ولایت واقفِ اسرار حقیقت حضرت مولانا امیر احمد بسالوی چشتی نظامیؒ ۲۱ ذوالحجہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۹ء کو ذکرِ خدا کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔

مزارِ پُرانوار بسال شریف تحصیل جنڈ ضلع اٹک میں مرجع خاص وعام ہے۔ مزارِ فیض آثار سے ملحقہ عظیم الشان خوبصورت جامع مسجد آج بھی اُس دور کی یاد دلاتی ہے۔ آپ کا قائم کردہ مدرسہ بھی جاری وساری ہے۔ آپ نے حضرت خواجہ احمد بسالویؒ کی طرح اپنی تمام عمر درس و تدریس اور مجاہدہ میں بسر کی اور مجرِ دانہ زندگی گزاری۔ آپ کے تین بھتیجے تھے۔ جو آپ کے تین بھائیوں کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھتیجے حضرت خواجہ میاں محمد صاحبؒ آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔ خواجہ میاں محمد صاحبؒ ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ آپ نے حضرت ثانی بسالویؒ کی درس گاہ چشتیہ نظامیہ بسال شریف کا نظام بہت احسن طریقے سے چلایا۔ حضرت ثانی بسالویؒ کا وصالِ مبارک ۷ محرم ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۸، اپریل ۱۹۶۷ء کو ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمود بخش صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے جو کہ چند سال قبل وصال فرما گئے ہیں۔ آج کل ان کے صاحبزادہ حضرت نظام الدین چشتی سجادہ نشین ہیں۔

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

☆☆☆☆☆

جنگِ آزادی کے مجاہدِ اعظم

حضرت علامہ مفتی سید علی کافی شہیدؒ

محمد یونس نوشاہی

اہلِ سنت و جماعت کے جید عالمِ دین صدر شریعت انقلاب ۱۸۵۷ء کے ایک نا قابلِ فراموش کردار برصغیر کے قدیم اُردو نعتیہ ادب کے معمار مجاہدِ اعظم امام احمد رضا فاضل بریلویؒ کے پسندیدہ اور محبوب نعت گو شاعر حضرت مولانا کفایت علی کافیؒ ۔

آپ کے آباؤ اجداد مراد آباد کے قدیم باشندوں میں سے تھے ۔آپ ایک معزز خانوادہ سادات کے رُکنِ رکین تھے ۔حضرت شاہ ابو سعید مجددی رام پوری علیہ الرحمۃ (م ۱۲۵۰ھ) سے علمِ حدیث پڑھا۔فنِ طب حکیم شیر علی صدیقی (م ۱۲۵۶ھ) سے حاصل کیا۔فنِ شاعری ملک الشعراُ شیخ مہدی علی زکی مراد آبادی (م ۱۲۸۲ھ) سے سیکھا۔جو شیخ امام بخش ناسخ (م ۱۲۵۴ھ) شاگرد رشید تھے ۔نیز مفتی ظہور اللہ انصاری فرنگی محلی (م ۱۲۵۶ھ) سے بھی فیضِ تلمذ حاصل تھا۔ غرض کہ علوم عقلیہ ونقلیہ فاضلِ جلیل ٹھہرے۔علم حدیث ،فقہ ،منطق اور فلسفہ میں یگانۂ روزگار تھے۔

حضرت کافیؒ الخول سیف المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی (م ۱۲۷۷ھ) حضرت شاہ احمد سعید دہلوی (م۱۲۹۴ھ) مولانا مُفتی محمد سعداللہ مراد آبادی (م ۱۲۹۴ء) استادالشعراُ مولانا سید محمد معین الدین نزہت قادری (م ۱۳۳۹ء) والدِ گرامی صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ) کے استاد بھائی تھے۔(رحمتہ اللہ علیہم)۔قبلہ کافی صاحب بڑے زاہد متورع جامع منقول ومعقول ماہرِ فروغ واصول اور کامل الفن شخصیت تھے۔ان میں سے ہر موضوع پر آپ کے علمی جوہر پارے موجود ہیں۔جو آپ کی خداداد

☆ محلّہ مغل پور، جلال پور روڈ [حافظ آباد]

علمی بصیرت اور مہارتِ تامہ پر بین دلیل ہیں۔ شاعری میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کا نعتیہ کلام غزل کے پیرائے میں ہے۔ آپ نے قصائد سے گریز کیا کہ ان میں مبالغہ کی آمیزش ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجد د دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ الباری فرمایا کرتے تھے کہ مولانا کافی اور حسنِ بیاں کا کلام اول سے آخر تک شریعتِ مطہرہ کے دائرہ میں ہے۔ بل کہ مولانا کافی کو اعلیٰ حضرت بریلوی سلطان نعت فرمایا کرتے تھے۔ مولانا کافی ایک عہد ساز نعت گو شاعر تھے۔ برعظیم کی اُردو نعتیہ شاعری میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ فنِ شاعری میں موضوعِ سخن صرف نعت رہا۔ حضرت کافی ؒ کی نعت کے ترجیحی موضوعات میلاد شریف، درود و سلام، مدینۃ النبی ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کے شمائل وفضائل تھے۔ آپ ایک سچے عاشق رسول تھے۔ انھوں نے بارگاہِ رسول کے آداب اور عشقِ رسول کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر نعتیں کہیں۔ محبتِ رسول میں ڈوب کر کہی ہوئی ان کی نعتوں میں شیفتگی و وارفتگی اور غنائیت کی کیفیت بہت عیاں ہے۔

جب تحریکِ آزادی ہند کا آغاز ہوا تو مولانا کافی ؒ کا ہاشمی خون جذبۂ شہادت سے سرشار میدان میں اُترا۔ آپ نے حوائی مراد آباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علمِ جہاد بلند فرمایا پھر جدھر آپ کا رُخ ہوا برطانوی استبداد کے پرخچے اڑاتے گئے۔

مولانا کافی ؒ ۱۸۵۷ء کے اوائل میں آگرہ میں جہادِ حُریت کے اکابر رہنماؤں حضرت احمد اللہ شاہ اور دیگر حضرات کی مجالس میں برابر شریک ہوتے رہے۔ جنگِ آزادی کے آغاز کے ساتھ ہی مجلس مجاہدین کے مشورے کے مطابق روہیل کھنڈ آئے۔ پہلے بریلی رہے اس کے بعد رام پور ہوتے ہوئے مراد آباد پہنچے۔ ہر جگہ جہادِ حریت کی سرگرمیوں میں بڑے جوش وخروش سے عملی حصہ لیا۔ مراد آباد میں نواب مجد الدین عرف نواب مجو خاں، مولانا وہاج الدین صاحب اور دوسرے رہنماؤں کے ساتھ شریکِ کار ہو کر انقلابی سرگرمیوں اور معرکہ آرائیوں میں مصروف

رہے۔

جب غازیانِ وطن کے لشکر نے پہلی یلغار کی تو مولانا کافی ؒ بھی ان کے ساتھ تھے۔ مولانا کافی ؒ روزانہ مجاہدین کو احکام شرع کی تلقین کرتے اور ہر جمعہ کی نماز کے بعد مولانا وہاج الدین (م ۱۲۷۴ھ) کے ساتھ مل کر مساجد میں جہاد کی تقویت کے لیے وعظ فرماتے۔ آزاد حکومت کے قیام دوران مولانا کافی ؒ آنولہ اور دوسرے علاقوں میں فتویٰ جہاد کی تبلیغ اور انقلابی تنظیم کے لیے دورے کرتے رہے اور جگہ جگہ انھوں نے عوام میں اپنی پُر اثر تقریر و منظوم رجز خوانی سے روحِ عمل پھونکی۔ انھوں نے نشر و اشاعت کا خوب کام کیا۔ فتویٰ جہاد کی نقول آپ نے دوسرے مقامات پر بھجوائیں؛ بل کہ بعض مقامات پر بہ نفسِ نفیس خود تشریف لے گئے۔ مراد آباد میں آزاد حکومت کے بعد جب انگریز بھاگ کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے تو حاکمِ شہر نواب مجو خان (م ۱۲۷۴ھ) نے مولانا کافی ؒ کو صدر الشریعہ کے منصب پر فائز کیا۔ آنولہ سے بریلی آئے۔ نواب خان بہادر خاں اور امام المجاہدین مولانا سرفراز علی کے ساتھ انقلابی مجالس میں شریک ہو کر مشورے کرنے کے بعد جنرل بخت خاں کی قیادت میں لشکرِ آزاد کے ساتھ مراد آباد واپس آ گئے۔

یہاں صفِ اول کے مجاہدین میں پیش پیش نظر آتے رہے۔ مراد آباد میں دوسرے انقلابیوں کے علاوہ خاص طور پر شیخ افضل صدیقی، شیخ بشارت علی اور مولانا سبحان علی کے ساتھ رہنماؤں میں شامل تھے۔ جنرل بخت خاں کی فوج مراد آباد سے گذر گئی تو نواب رام پور نے پھر مراد آباد پر قبضہ کر لیا۔ شہزادہ فیروز شاہ کا گذر مراد آباد سے ہوا تو ریاست رام پور کی فوج کو سخت زک اٹھانی پڑی لیکن جنرل جونس کی آمد کی خبر معلوم ہوتے ہی شہزادہ فیروز شاہ نے میدان چھوڑ دیا۔ ۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء کو ریاست رام پور کے اہل کاروں نے مراد آباد کا انتظام جنرل جونس کے حوالے کر دیا۔ مولانا کافی چار پانچ روز رُوپوش رہے لیکن جذبۂ حُریت نے انھیں نچلا نہ بیٹھنے دیا اور جوش و خروش میں پھر نکل آئے۔ ایک غدار فخر الدین کلال اور بعض خائنوں کی سازش سے مولانا کافی ؒ گرفتار کر لیے گئے۔

گرفتاری کے بعد انگریز نے آپ سے گن گن کر بدلے لیے۔ جیل میں کڑی سے کڑی سزائیں دی گئیں۔ جسم پر گرم گرم استری لگائی جاتی۔ زخموں پر نمک مرچ چھڑکائی جاتی۔ آخر کار ۴۔ مئی ۱۸۵۸ء کو آپ کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ انگیریز مجسٹریٹ جان انگلسن نے پھانسی کا حکم سنا دیا۔ چناں چہ ۲۲۔ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ / ۶۔ مئی ۱۸۵۸ء کو مراد آباد جیل کے سامنے چوک میں مجمع عام کے رُو بہ رُو پھانسی دی گئی۔ جس وقت اس مجاہدِ اعظم کو تختہ دار کی جانب لے جایا جا رہا تھا اس وقت آپ بہ بانگِ دُہل اپنی تازہ نعت شریف پڑھ رہے تھے جو آپ کی تمام نعتوں میں سب سے زیادہ مشہور اور آخری نعت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کوئی گُل باقی رہے گا، نَے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حَسن رہ جائے گا

ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دَم کا چہچہا
بُلبُلیں اُڑ جائیں گی، سُونا چمن رہ جائے گا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تَنِ بے جان پر خالی کفن رہ جائے گا

نامِ شاہانِ جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں
حشر تک نام و نشانِ پنجتن رہ جائے گا

جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے اُوپر درود
آگ سے محفوظ اُس کا تَن بدن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ ولیکن حشر تک
نعتِ حضرت کا زبانوں پہ سخن رہ جائے گا

مولانا محمد عمر نعیمی مراد آبادی کہتے ہیں کہ شہادت کے تقریباً ۳۵ برس بعد مولانا کافی شہیدؒ کی قبر کھل گئی۔ آں جناب کا جسم ویسے کا ویسے تھا۔ مولانا محمد عمر نعیمی کے نانا جان شیخ کرامت علی ٹھیکیدار نے اس عظیم ہیرو کی لاش مبارک کو دوسری جگہ عقبِ جیل میں دفن کر دیا۔

ماخذات

۱۔ برطانوی مظالم کی کہانی، عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری کی زبانی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۔ انسائیکلوپیڈیا جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی شخصیات، از: سعود الحسن خاں روہیلہ، مطبوعہ لاہور، ۲۰۰۷ء

۳۔ ماہنامہ نعت، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۵ء

۴۔ ماہنامہ سوئے حجاز، لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء

۵۔ ماہنامہ بقیع، کراچی، اگست ۲۰۰۷ء

☆☆☆☆☆☆☆

پیغامِ اقبال

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

غلامی کیا ہے ؟ ذوقِ حُسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ، ہے وہی زیبا

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دُنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

وہی ہے صاحبِ اِمروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیٔ خارا

رہے ہیں، اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

محبت خویشتن بینی ' محبت خویشتن داری
محبت آستانِ قیصر و کسریٰ سے بے پروا

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
'کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سرِ خُودرا'

وہ دانائے سُبل ،ختم الرُسل،مولائے کُل جس نے
غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قُرآں ' وہی فُرقاں ' وہی یٰسیں ' وہی طٰہٰ

سنائی کے ادب سے میں نے غوّاصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لُولوئے لالا

☆☆☆☆☆

دل کے پانچ قسم کے زخموں کے لیے پانچ مرہم

علامہ بدیع الزماں نورسیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَقُلْ رَبِّ أَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَأَعُوْذُبِکَ رَبِّ أَنْ یَّحْضُرُوْنَ﴾(۱)

میرے وسوسے کی بیماری میں مبتلا بھائی! کاش تمھیں معلوم ہو جائے کہ تمھارا یہ وسوسہ کس چیز کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے؟ یہ مصیبت کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے جو چھوٹی سی شروع ہوتی ہے اور پھر تم جتنا اس کا اہتمام کرو گے اس کے حساب سے بڑی ہوتی ہے اور اگر اس کی طرف توجہ نہ دو گے تو زوال پذیر ہو کے فنا ہو جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ آپ اگر اسے بڑا سمجھیں گے تو یہ بڑی ہو جائے گی اور اگر اسے چھوٹا سمجھیں گے تو چھوٹی ہو جائے گی۔ اگر آپ اس سے ڈریں گے تو یہ تمھیں پاؤں کے نیچے کچل دے گی اور تمھیں بیماریوں کی آماج گاہ بنا کر عاجز اور ذلیل کر دے گی، اور اگر اس سے ڈریں گے نہیں تو یہ تمھارے پاؤں کی نوک پر ہو گی، منہ چھپائے گی اور غائب ہو جائے گی۔ اگر آپ اس کی اصلیت نہ سمجھ سکیں گے تو یہ آتی رہے گی اور آنگن میں ڈیرے ڈال دے گی، اور اگر آپ اس کی اصلیت پہچان جائیں گے، اس کی گہرائی ماپ لیں گے تو یہ مضمحل ہو کر معدوم ہو جائے گی۔ بات جب یہی ہے تو میں اس وسوسے کی عام طور پر سامنے آنے والی وجوہات میں سے پانچ کی وضاحت کیے دیتا ہوں۔ امید ہے کہ یہ وضاحت اللہ کے فضل و کرم سے ہم دونوں کے سینوں کے لیے شفا کا کام دے گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جہالت اور بے علمی وسوسوں کو مقناطیس کی طرح کھینچتے ہیں؛ جب کہ اس کے برعکس علم وسوسوں سے پیدا ہونے والے نقصانات کو دُور دھکیلتا ہے۔ اس لیے اگر تم اس کے بارے میں جاہل اور لاعلم رہو گے تو یہ تمھاری طرف لپکیں گے اور قریب ہو جائیں گے۔ اور اگر تم اِن کی پہچان حاصل کر لو گے تو یہ منہ پھیر کر دُور بھاگ جائیں گے۔

پہلی وجہ......:

شیطان پہلے تو اپنی طرف سے دل میں شبہ ڈالتا ہے، پھر دل کی گہرائیوں میں اس کی باز گشت پر نظر رکھتا ہے۔ پھر دل اگر اس شبہے کو قبول نہ کرے تو پھر شبہے سے بچ کر، سب وشتم، لعن طعن اور گالی گلوچ کی آماج گاہ بن جاتا ہے، تب وہ اس میں گندے اور بیہودہ تصورات اور آداب کے منافی ایسے خیالات بھر دیتا ہے جو سب وشتم، گالی گلوچ اور بُرا بھلا کہنے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ تب یہ بیچارہ دِل ناامیدی کے بوجھ تلے دبا ہوا بلبلاتا ہے اور چیختا چلاتا ہوا کہتا ہے: اے کاش! ہائے مصیبت!۔۔۔ جس سے وسوسہ زدہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کا دِل گناہ گار ہے اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور برائیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اس سے اس پر قلق و اضطراب اور انفعال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ سکون واطمینان کے دائرے سے نکل جاتا ہے اور غفلت کی گہرائیوں میں ڈوبنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اس زخم کا مرہم یہ ہے۔

اے وسوسے کی بیماری میں مبتلا مسکین!

ڈرنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ جو چیز تمہارے ذہن کے سامنے سے گزری ہے وہ نہ گالی ہے نہ دُشنام طرازی اور نہ بدگفتاری، وہ تو صرف چند عکس اور منتشر خیالات ہیں جو تمہارے ذہن کے آئینے کے سامنے سے گزر جاتے ہیں؛ اور چوں کہ کفر کا خیال کرنا کفر نہیں ہے۔ اس لیے سبُّ وشتم کا خیال کرنا بھی سبّ وشتم نہیں ہے۔ کیوں کہ منطق کا ایک معروف کُلیہ ہے کہ تخیّل یا تصور حکم یا فیصلے کا درجہ نہیں رکھتا ہے۔ جب کہ سب وشتم حکم یا فیصلہ ہے۔

مزید یہ کہ یہ نامناسب کلمات تمھارے دِل سے صادر نہیں ہوئے ہیں۔ کیوں کہ تمھارا دِل ان پر افسوس کرتا ہے اور ان سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ کلمات شیطان کی اس کانا پھوسی سے صادر ہوئے ہوں جو وہ دِل کے قریب جا کر کرتا ہے! اس لیے وسوسے کا نقصان اس وقت ہوتا ہے جب نقصان کا وہم پال لیا جائے، مطلب یہ ہے کہ دِل کے لیے اس کا نقصان وہ

ہے جو ہمارے وہم کی پیداوار ہوتا ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات انسان ازراہِ تخیل کسی بے بنیاد چیز کی اس طرح سے وہمی صورت گری کر لیتا ہے کہ گویا کہ وہ کوئی حقیقی چیز ہو، پھر اس کی طرف شیطان کے ایسے اعمال منسوب کر دیتا ہے جن سے وہ بالکل بری ہو، اور اس طرح گمان یہ کرتا ہے کہ شیطان کی یہ وسوسہ اندازیاں اس کے اپنے دل کے خیالات وواردات ہیں اور ان وسوسوں کے نقصانات کا تصور کرتا رہتا ہے اور پھر ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور شیطان اس سے چاہتا بھی صرف یہی کچھ ہے۔

دوسری وجہ......

معانی جب دل سے چل نکلتے ہیں تو خیال میں اس طرح سے نفوذ کرتے ہیں کہ ان کی کوئی خاص شکل صورت نہیں ہوتی ہے۔ لیکن وہاں پہنچ کر مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر جاتے ہیں۔ اور خیال ہی وہ قوت ہے جو کچھ معین اسباب کے تحت کئی قسم کی صورتوں کے لباس بنتا رہتا ہے۔ اور جن صورتوں کو اہتمام دیتا ہے انھیں برسرِ راہ سجائے رکھتا ہے، پھر جو معنی بھی وارد ہوتا ہے خیال اسے یا تو وہی لباس پہنا دیتا ہے جو اس نے بنا ہے، یا اسے اس پر لٹکا دیتا ہے، یا اسے اس سے آلودہ کر دیتا ہے اور یا اسے اس لباس کے ساتھ ڈھانپ دیتا ہے، پھر اگر تو وہ معانی صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں اور صورتیں اور لبادے آلودہ اور کمترین ہوں تو پھر نہ اوڑھانا ہوتا ہے نہ پہناوا، بس ایک رابطہ ہوتا ہے یعنی پھر ان معانی کو نہ کوئی چیز اوڑھائی جاتی ہے نہ پہنائی جاتی ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ یہ لباس یا صورتیں ان معانی کو چھو کر نکل جاتی ہیں۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں ایک وسوسہ زدہ انسان حیرت اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مجرد رابطے کے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ معانی کو شکل وصورت کا لباس پہنا دیا گیا ہے، اور پھر وہ کفِ افسوس ملتا ہوا دِل میں ہائے وائے کرتا ہوا کہتا ہے "میرا دِل ہلاکت کے گھاٹ جا گرا اور یہ نفسیاتی خفت اور کمینگی عن قریب مجھے اللہ کی رحمت کے دروازے سے دھتکار دے گی"

اور شیطان اس کی اس حساس رگ سے بڑے بُرے طریقے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس گہرے زخم

کا مرہم یہ ہے:

جس طرح پیٹ میں پائی جانے والی نجاست نماز کو توڑتی ہے نہ کسی اور پہلو سے نقصان دیتی ہے؛ بل کہ اس کے لیے صرف بدن کی ظاہری طہارت ہی کافی ہے، اسی طرح پاکیزہ اور مقدس معانی کے پہلو میں آلودہ اور ناپاک صورتوں شکلوں کا ہونا بھی ان معانی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ: کبھی آپ قرآن کریم کی کسی آیت میں غور فکر کر رہے ہوتے ہیں کہ اچانک کوئی بیماری زور کر جاتی ہے یا پھر پیشاب وغیرہ کا زور ہو جاتا ہے، اور پھر یہ چیز آپ کے خیالات پر شدت کے ساتھ قبضہ کر لیتی ہے۔ اب ایسی صورتِ حال کا نتیجہ یہی ہوتا ہے اور ہوگا کہ تمہارا خیال اس چیز کے تقاضے کے تحت ذلیل تصویروں اور شکلوں کا لباس بنتا ہوا یا تو دوائی لانے کی تدبیر میں مشغول ہو جائے گا اور یا پھر پہلے قضائے حاجت کا سوچے گا؛ اور تمہارے غور و فکر کے آئینے میں وارد ہونے والے بلند پایہ معانی اِن پست قد خیالی صورتوں کے درمیان سے گزرتے رہیں گے، آپ انھیں گزرنے دیں؛ کیوں کہ انھیں کسی قسم کے خطرے، آلودگی یا نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ خطرہ صرف اس صورت میں ہے جب فکر ان خیالی صورتوں پر اپنی مکمل توجہ مرکوز کر دے اور اس وَہم کا شکار ہو جائے کہ مجھے ان سے لامحالہ نقصان پہنچنے والا ہے۔

تیسری وجہ......

اشیا کے درمیان کچھ نظر نہ آنے والے تعلقات اور روابط پائے جاتے ہیں، اور بسا اوقات تو اس تعلق اور رابطے کے یہ دھاگے ایسے چیزوں کے درمیان بھی مل جاتے ہیں جن کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے ہیں، یہ دھاگے یا تو مستقل طور پر ہوتے ہیں، یعنی واقعتاً ان کا وجود ہوتا ہے، یا پھر یہ ہمارے اُس خیال کا نتیجہ ہوتے ہیں جس نے یہ اپنے اُن اعمال کے حساب سے بنائے ہیں جن اعمال میں وہ مشغول ہے۔ کبھی کبھی خصوصی مقدس کاموں کے سلسلے میں فکر و نظر کے وقت جب اِدھر اُدھر سے خیالات کا ہجوم ہو جاتا ہے، اس میں یہی راز پایا جاتا ہے؛ کیوں کہ ''وہ تناقض جو خارج میں دوری کا سبب بنتا ہے وہ تصور اور خیال میں قربت اور ہمسائگی کا باعث

ہوتا ہے''۔ جیسے کہ علم البیان کا ایک مشہور قاعدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو متناقض چیزوں کی صورتوں کو یکجا کرنا صرف خیال کی فسوں گری ہوتی ہے، اور اس ذریعے سے جنم لینے والے خیالات وتصورات کو'تداعِی الأفکار'' (Assocition of ideas) کہتے ہیں۔ یعنی مختلف خیالات وتصورات اور افکار کا باہم دیگر پیوستہ ہونا۔ اس کی مثال یہ ہے۔

عین اس وقت جب کہ آپ نماز میں انتہائی خشوع وخضوع اور حضور قلب کے ساتھ کعبہ معظمہ کی طرف منہ کیے ہوئے اپنے پروردگار کے ساتھ محوِ مناجات ہوتے ہیں، اس ''تداعی الأفکار'' کی یلغار ہو جاتی ہے، اور خیالات وافکار کا یہ مجموعہ تمھیں ایسے لایعنی امور میں الجھا دے گا جو شرمندگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے میرے برادر! اگر آپ خدانخواستہ اس ''تداعی الأفکار'' کی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں، تو جزع فزع اور قلق اضطراب کے اظہار کی قطعاً ضرورت نہیں ہے بلکہ جبھی تمھیں اس چیز کا شعور ہو جائے فوراً اپنی فطری حالت کی طرف لوٹ جاؤ اور یہ مت کہو کہ: ''مجھ سے بہت بڑی خطا سرزد ہوگئی ہے''، اور اس طرح دِل کو ہلکان مت کرو؛ اور پھر اس کا سبب تلاش کرنے میں مصروف ہو جاؤ بل کہ ان کی طرف بالکل ہی توجہ نہ دو، تا کہ یہ کچے دھاگے سے بھی کمزور اور عارضی تعلقات تمھارے توجہ دینے کی وجہ سے مضبوط نہ ہو جائیں۔ کیوں کہ آپ جب ان پر غم اور افسوس کا اظہار کریں گے اور ان کی طرف زیادہ توجہ دیں گے، تو یہ عارضی خیالات ایسی عادت میں تبدیل ہو جائیں گے جو بتدریج دل میں جڑ پکڑ جائیں گے اور ایک خیالی مرض کا روپ دھار جائیں گے۔ لیکن نہیں۔

کبھی خوف زدہ نہ ہوں، کیوں کہ یہ کوئی قلبی مرض نہیں ہے؛ کیوں کہ من میں پیدا ہونے والے یہ اندیشے اور خیالی وَسوسے غالبًا انسان کے عزم اور ارادے کے برخلاف در آتے ہیں اور یہ غالبًا حساس اور ذہین لوگوں کو لاحق ہوتے ہیں؛ اور شیطان ان وسوسوں کے ہمراہ من میں زبردستی گھس جاتا ہے۔

اس بیماری کا علاج یہ ہے۔

یاد رکھیں کہ ''تداعی الأفکار'' کے سلسلے میں انسان ذمہ دار نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ غالبًا بلا ارادہ در آتے ہیں؛ کیوں کہ یہاں نہ تو اختلاط ہے، نہ آمیزش اور نہ باہم میل ملاپ، بل کہ یہ تو صرف مجاورت اور ہمسائیگی کی عارضی حالت ہے، اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔ بنا بریں، ان افکار وخیالات کی طبیعتیں ایک دوسرے میں سرایت نہیں کرتی ہیں، اور اس بنا پر ایک دوسرے کو نقصان بھی نہیں دیتیں ہیں؛ کیوں کہ الہام والے فرشتوں کی دل کے آس پاس شیطان کے ساتھ ہمسائیگی میں کوئی حرج نہیں، اور ایک رہائش گاہ میں نیکوکاروں اور بدکاروں کے اکٹھے اور قریب قریب رہنے میں کوئی نقصان نہیں، اسی طرح جب ایسے غلط اندیشے اور بُرے افکار جو مقصود نہ ہوں ان صحیح، پاکیزہ اور صاف ستھرے افکار میں گڈ مڈ ہو جائیں تو نقصان دہ ثابت نہیں ہوتے، اِلّا یہ کہ وہ مقصود ہوں یا یہ کہ آپ ان پر زیادہ توجہ دے کر خود کو اس وہم میں اُلجھا لیں کہ یہ تمھیں نقصان پہنچائیں گے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دِل تھکا ماندا اور اُکتایا سا ہوتا ہے جس کی وجہ سے فکرِ فضول میں ہی کسی نہ کسی چیز کے ساتھ کسی نہ کسی طرح مشغول ہو جاتا ہے، تب شیطان اس موقع سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور بُرے قسم کے خیالات دِل کے چاروں طرف بکھیر دیتا ہے۔

چوتھی وجہ......

یہ وسوسے کی وہ قسم ہے جو ہر کام میں افضل ترین اور کامل ترین صورت کی جستجو اور تگ ودو میں ضرورت سے زیادہ تشدد اور سختی برتنے کی صورت میں جنم لیتی ہے، چناں چہ انسان کا وَرع وتقویٰ کے نام سے یوں تشدد بڑھتا جاتا ہے۔ معاملہ مزید پیچیدہ ہوتا اور بگڑتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نوبت اس حد تک جا پہنچتی ہے کہ عین اس وقت جب انسان اعمالِ صالحہ میں بہترین اور کامل ترین صورت کا خواہش مند اور متلاشی ہوتا ہے، قریب قریب حرام کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ ''سنت'' کی جستجو کی وجہ سے کسی ''واجب'' کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور اپنے آپ سے ہمیشہ اپنے عمل کی صحت، درستگی اور قبولیت کے بارے میں پوچھتا رہتا ہے، چناں چہ آپ دیکھیں گے کہ وہ یہ بات بار بار کہتا رہتا ہے: کیا خیال ہے میرا یہ عمل ٹھیک ہے؟'' حتیٰ کہ معاملہ بڑھ جاتا

ہے اور نوبت مایوسی تک جا پہنچتی ہے، تب شیطان اس کی اس حالت سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسے اپنے تیرِ نظر کا نشانہ بناتا ہے اور اسے گہرے چرکے لگا کر بسمل بنا کے چھوڑ دیتا ہے۔

اس زخم کی دو دوائیں ہیں:

پہلی دوا۔ یاد رکھیں کہ ایسے وسوسے صرف فرقہ معتزلہ کو ہی جچتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ''بندوں کو جن امور کا مکلف کیا گیا ہے وہ اُخروی جزا کی رُو سے فی نفسہٖ یعنی اپنی ذات کے لحاظ سے اچھے یا بُرے ہیں، پھر شریعت آ کر ان کی حیثیت متعین کر دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ چیز یا کام اچھا اور خوبصورت ہے اور یہ بُرا یا بدصورت۔ مطلب یہ ہے کہ حسن و قبح اُخروی جزا کے حساب کی رُو سے خود اشیا کی طبیعت اور ساخت کے اندر موجود ہیں اور ہر چیز ذاتی طور پر حسین یا قبیح ہوتی ہے۔ رہے اوامر و نواہی، تو وہ اس چیز کے تابع ہیں جس کو شریعت مقرر کر دے''۔

یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کی طبیعت انسان کو یہاں تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ اپنے ہر عمل کے بارے میں ہمیشہ یہی پوچھتا رہتا ہے: ''کیا خیال ہے، میرا یہ عمل بالکل اسی طرح کامل صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچا ہے جیسا کہ ہونا چاہیے تھا یا کہ نہیں؟'' لیکن اصحابُ الحق یعنی اھلُ السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس چیز کو بجالانے کا حکم دیتے ہیں وہ حسین ہو جاتی ہے اور جس چیز سے منع کرتے ہیں وہ قبیح ہو جاتی ہے'' یعنی حُسن و قُبح کا تعلق امر و نہی کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن و قبح کا تقرر اور تعیّن مکلّف کے نقطہ نظر سے ہوتا ہے لیکن آخرت میں خاتمے کے لحاظ سے ان کا تعلق انجام کے حساب سے ہوتا ہے، دنیاوی نقطۂ نظر سے نہیں۔

اس کی مثال یوں ہے:

آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی، لیکن کسی ایسی مخفی چیز کی وجہ سے آپ کا وضو اور نماز فاسد ہو گئے جس کا تمھیں پتا نہیں، اب اس حالت میں آپ کا وضو اور نماز بیک وقت صحیح اور حسین ہیں۔ لیکن معتزلہ کے ہاں وضو اور نماز دونوں اصل میں تو فاسد اور قبیح ہیں لیکن تم سے لاعلمی کی وجہ سے قبول ہو گئے؛ کیوں کہ لاعلمی بھی ایک عذر ہے۔

اس طرح جب آپ اہل السنہ والجماعہ کے مذہب پر عمل کریں گے تو شریعت کے ظاہر کے ساتھ موافق ہونے کی وجہ سے تمھارا عمل بغیر کسی شک وشبہے کے صحیح ہوگا۔لیکن یہاں دو باتوں کا دھیان رکھیں۔ایک تو یہ کہ اپنے عمل کے صحیح ہونے کے بارے میں کسی وسوسے کا شکار نہ ہونا۔اور دوسری یہ کہ اس بات پر پھول نہ جانا کہ میرا عمل صحیح ہے؛ کیوں کہ تم یقینی طور پر یہ نہیں جانتے ہو کہ تمھارا یہ عمل اللہ کے ہاں شرف قبولیت پاتا ہے کہ نہیں۔

دوسری دوا۔یاد رکھو کہ اسلام اللہ کا حقیقی دین ہے، جو آسانی کا دین ہے، جس میں تنگی اور مشقت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اور یہ مذاہب اَربعہ چاروں ہی برحق ہیں۔انسان کو جب اپنی تقصیر کا اِدراک ہو جائے تو اس تقصیر کی تلافی اُس استغفار سے ہو سکتی ہے جو اس خود بینی، غرور اور گھمنڈ سے کہیں وزنی ہوتا ہے جو اعمال صالحہ پر اِترانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔اس لیے اگر وَسوسے میں مبتلا انسان اپنے آپ کو کسی عمل میں کمی کوتاہی کا مُرتکب سمجھ کر توبہ واستغفار میں مصروف ہو جائے تو یہ اس کے لیے اپنے عمل پر اِترانے اور غرور میں مبتلا ہونے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔بات جب یہی ہے تو پھر وَسوسوں کو جھٹک دو اور شیطان کے سامنے آکر برملا کہہ دو۔اس چیز کا تعلق اس ''حَرج'' (narrowness) کے ساتھ ہے جس کی شریعت میں نفی کی گئی ہے۔اور یہ کہ احوالِ واقعی سے مطلع ہونا بہت مشکل کام ہے۔بل کہ یہ چیز ''یُسْرٌفِی الدِّین''، ''لَا حَرَجَ فِي الدِّيْنِ'' اور ''اَلدِّیْنُ یُسْرٌ'' جیسے سنہری قاعدے اور ضابطے کے خلاف ہے۔اور یہ کہ میرا عمل اسلام کے مبنی برحق مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کے ساتھ ضرور مطابقت رکھتا ہے۔

اور میرے لیے یہی کافی ہے کہ یہ چیز میرے لیے اس چیز کا وسیلہ بنے گی کہ میں خود کو اپنے خالق ومالک کے حضور سجدے میں گرادوں، تضرع اور گریہ زاری کے ساتھ اس سے بخشش طلب کروں اور عمل میں اپنی کمی کوتاہی کا اعتراف کرلوں۔اور وہ سمیع'' مجیب ہے۔

پانچویں وجہ......

وہ وسوسے جو ایمان کے معاملات میں شبہات کی مختلف شکلوں کا لبادہ اوڑھ کر حملہ آور

اور اِذعان کی حالت یہ نہیں ہے، یہ دونوں کسی میزان کے تابع ہیں۔اور یہ بھی ہے کہ تخیل، توہم، تصور اور تفکر میں سے کوئی بھی تصدیق اور اِذعان نہیں ہوتا ہے، اس لیے شبہ یا تردّد شمار نہیں ہوتا، لیکن اگر یہ حالت بغیر کسی جواز کے بار بار پیش آئے اور نفس میں استقرار اور جماؤ کی حالت تک پہنچ جائے تو پھر کبھی کبھار اس سے حقیقی شبہات کا کوئی نہ کوئی رنگ اُبھر آتا ہے، پھر وسوسے میں مبتلا انسان غیر جانبدار عقلی محاکمات یا انصاف کے نام سے طرف مخالف کا ہی ہو کر رہ جانے کی وجہ سے کبھی پھسل کر ایسی حالت میں گر جاتا ہے جسے مخالف بھی اپنانا اپنے لیے لازم کر لیتا ہے، اور یہ ہے وہ مقام جہاں خواہی نخواہی وہ ان فرائض و واجبات سے دُور نکل جاتا ہے جو حق کی خاطر اس پر عاید ہوتے ہیں؛ اور یوں وہ ہلاکت کے گھاٹ جا اُترتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ذہن میں ایک ایسی حالت بیٹھ جاتی ہے جو کہ طرف مخالف یعنی مدِّ مخالف یا شیطان کی طرف سے ذمہ دار، وکیل یا عہدیدار کے مشابہ ہوتی ہے۔شاید اس خطرناک وسوسے کی ایک اہم قسم یہ ہے کہ:

وسوسہ زدہ انسان کے لیے ''امکانِ ذاتی'' اور ''امکانِ ذہنی'' کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے، یعنی وہ جس چیز کو ممکن سمجھتا ہے اس کے بارے میں اپنے ذہن کے ساتھ پھر وَہم میں اور اپنی عقل کے ساتھ شک میں مبتلا ہو جاتا ہے، حالاں کہ یہ بات معلوم ہے کہ ''علم المنطق'' میں ایک کلامی قاعدہ کلیہ پایا جاتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''امکانِ ذاتی یقینِ علمی کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے اس کے اور ذہنی ضرورات و بدیہیات (جن چیزوں کو ذہن ضروری سمجھتا ہے) کے درمیان کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے۔ اس کی وضاحت ہم ایک مثال کے ساتھ کرتے ہیں:

یہ بات ممکن ہے، بحرِ اسود کا پانی ابھی خشک ہو جائے، یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا ''امکانِ ذاتی'' کی رُو سے واقع ہونے کا احتمال ہے۔ لیکن ہم اس بات کا حکم یقینی طور پر لگا سکتے ہیں کہ یہ سمندر اپنے موجودہ موقع محل میں موجود ہے، اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے۔ تو امکانی احتمال اور ذاتی امکان کوئی شک شبہ پیدا نہیں کرتے ہیں، بل کہ ہمارے یقین میں کوئی تزلزل بھی پیدا نہیں کرتے ہیں۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ:

یہ ممکن ہے کہ سورج آج غروب نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کل کو طلوع نہ ہو، لیکن یہ امکان اور یہ احتمال کسی بھی حال میں ہمارے یقین پر اثر انداز نہیں ہوسکتا ہے، اسے کمزور نہیں کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے ہمارے ایمان و یقین پر کوئی چھوٹا موٹا شبہ وارد ہوسکتا ہے۔ اس طرح کی اور مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ تو وہ اوہام جو "امکانِ ذاتی" کی رُو سے دنیاوی زندگی کے غروب ہونے اور اُخروی زندگی کے طلوع ہونے سے وارد ہوتے ہیں اور جن کا تعلق غیب کے ان ایمانی حقائق کے ساتھ ہے، یہ اوہام جیسے بھی ہوں ہمارے ایمانی یقین میں خلل انداز نہیں ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اصولِ دین اور اصولِ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

"لَا عِبْـرَةَ لِلِاحْتِـمَالِ غَيْرِ النَّاشِئِ عَنِ الدَّلِيْلِ" یعنی وہ احتمال جس کا سرچشمہ کوئی خاص دلیل نہ ہو، اس کا کوئی اعتبار نہیں"

سوال۔ آپ کی رائے میں اہلِ ایمان کو اِن دِل آزار اور من اُچاٹ وسوسوں میں مبتلا کرنے میں کیا حکمت کارفرما ہے؟

جواب۔ اگر ہم غیر جانبدار ہو کر تجزیہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ وسوسہ انسان کو چوکنا رکھنے کے لیے مہمیز، تحقیق وجستجو کے لیے محرک اور باعث، اور سنجیدگی کے لیے ایک بہترین وسیلہ ہے۔ یعنی یہ بے پروائی کی نفسیات کو دُور بھگاتا اور سستی وکسلمندی کو قریب نہیں پھٹکنے دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اُس علیمؒ حکیمؒ ذات نے وسوسہ کو شوق کے اُبھارنے والے ایک تازیانے کی حیثیت دے کر اُسے شیطان کے ہاتھ میں تھما دیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اس دارُالامتحان اور مقابلے کے میدان میں انسان کو اِن حکمتوں کے لیے آمادہ کرتا رہے۔ اور جب وہ اس کوڑے کے ذریعے ہمیں زیادہ تکلیف پہنچانا شروع کردے تو ہم **"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم"** کا وِرد کرتے ہوئے اس علیمؒ حکیمؒ کے دامن میں پناہ لینے کے لیے بھاگ جائیں۔

☆☆☆☆☆

حمد یو وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد

اور رحمت بھیجے اللہ تعالے اوپر بہترین خلق اپنے جو ہمارے سردار محمد

وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین تمت ہذہ الرسالۃ

ہیں اور اونکی آل اور اصحاب سب پر اور سلام پورا ہوا یہ رسالہ

المسماۃ بشرح الوحدۃ المطلقۃ من تصنیف

جس کا نام شرح وحدت مطلقہ ہے تصنیف سے

الشیخ محی الدین ابن العربی رضی اللہ

شیخ محی الدین ابن عربی رح کے ہے

تعالی عنہ بید مرزا محمد بیگ حیدرآبادی

تحریر فی التاریخ ۲۰ صفر سنہ ۱۳۱۸ ہجری فقط

ترقیمہ "شرح وحدتِ مطلقہ" مصنفہ شیخ محی الدین ابنِ عربی

جلوہ گر در دو جہاں غیرِ خدا نیست کسے
از حریمِ وصلش ماندہ جدا نیست کسے

ہر چہ در دیدۂ تو نشوونما می دارد
ہمہ فانی است بہ خود اہلِ بقا نیست کسے

آدمی گو زِ خلائق بہ سریرِ ایجاد
متمکّن بہ سرِ صدق و صفا نیست کسے

گر خدا می طلبی صحبتِ رنداں مگزار
ہم چوں شاں سوئے خدا راہ نُما نیست کسے

زاہدا ! طعنہ بہ رنداں ز سرِ فخر مزن
کہ چوں ایناں بہ رہِ عشق و وفا نیست کسے

مولوی سجدہ گہت بارگہٗ پیرِ مغاں است
کہ جز او ہیچ پۓ سجدہ سزا نیست کسے

(حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ)